اچھے مرزا

رئیس امروہوی

Raza

رئیس اکاڈیمی
مانک جی اسٹریٹ۔ گارڈن ایسٹ۔ کراچی ۳

مقالات

(حصہ اول)

اعلیٰحضرت نواب اچھے مرزا صاحب بالقابہ

*

مرتبہ

احقر العباد

رئیس امروہوی

ناشر ـــــــ رئیس اکاڈیمی
قیمت ـــــــ دس روپے
طباعت ـــــــ ابن حسن پریس ۔ کراچی

پہلا ایڈیشن
۱۹۷۵ء

رئیس اکاڈیمی ۔ مانک جی اسٹریٹ
گارڈن ایسٹ ۔ کراچی
فون نمبر ۷۰۵۵۶

می شناسم

اعلیٰ حضرت نواب اچھے مرزا صاحب قبلہ بالقابہ کون ہیں؟ اور اس احقر العباد ننگ خلائق۔ ناکارہ مرداں و ہیچ کارہ اہل جہاں۔ راقم آثم و بندۂ عاصی سید محمد مہدی تخلص رئیس مرد ہوی کا ان بزرگوار سے کیا تعلق ہے؟۔ یہ حکایت ہے شنیدنی اور یہ روایت ہے گفتنی۔

مرزائے ممدوح کی شخصیت بے حد پُر اسرار سہی۔ تاہم اہلِ نظر کے لئے ان کی معرفت دشوار بھی نہیں۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

اچھے مرزا صاحب سے اس جانب کا تعارف ۱۹۴۷ء میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ شرفاء کے ہزاروں خاندان تباہ حال ہو کر اُدھر سے اِدھر سرحد کے اُس پار سے سرحد کے اِس پار آ رہے تھے۔ بخوبی یاد ہے کہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اِس جگر خستۂ تیغ حوادث نے سرزمینِ پاک پر قدم رکھا۔ اور دوسرے روز سب سے پہلے جن بزرگوار فضیلت آثار کے دیدار کی سعادت نصیب ہوئی وہ مرزا جعفر زٹلی رحمۃ اللہ علیہ کے دودمان عالی شان کے چشم و چراغ اور مرزا پھویا علی اللہ مقامہ کے گھرانے کے برخودار سعادت آثار طوطئ شکرستان معانی و بلبل ہزار داستان ہمہ دانی ــــ مسند نشینِ محفل فصاحت و شہسوار عرصۂ بلاغت حضرت نواب اچھے مرزا صاحب قبلہ بالقابہٗ مدظلہ تھے۔

اے نام تو زینت زبان ہا
اے ذکر تو زیب داستان ہا

الحق کہ مرزا صاحب موصوف کی ذات پیکر صفات اور ان کی صفات جامع کمالات ہیں۔ اس عبد ضعیف نے بڑے بڑے اہلِ کمال کو دیکھا اور ان کی نظر کیمیا اثر سے فیض بلکہ فیضان حاصل کیا ہے۔ مگر کفیٰ باللہ شہیدا (اور اللہ شہادت کے لئے کافی ہے) فنون لطیفہ، فنون شریفہ، فنونِ ظریفہ اور فنون نفیسہ میں مرزا جی سے بڑھ کر دسترس کسی کی نہ پائی۔ شاعری ان کی کنیز خانہ زاد۔ ادب ان کا بندۂ بے دام اور خطابت ان کی حاجب حاضر باش ہے۔ پہلی ہی ملاقات میں حضرت نے یہ نوازش فرمائی کہ اس آوارۂ روزگار کا اسم زمرۂ مصاحبین میں درج فرما لیا اور برضائے خاطر اجازت دی کہ جب جی چاہے شرف ملازمت حاصل کر سکتے ہو۔

مرزا جی اشرف الوزراء خان خاناں نواب زادہ لیاقت علی خاں مرحوم و مغفور کے جلوس میمنت مانوس کے سالِ اول میں کراچی تشریف لائے تھے۔ درحقیقت ان کے عروج کا زمانہ وہی تھا۔ اس مبارک زمانے میں مرزائے موصوف کے قلم حقیقت رقم، خامۂ عنبر شمامہ اور کلکِ جواہر سلک سے نثر و نظم کی صورت میں جن گہر پاروں اور شاہ کاروں کی تراوش ہوئی ہے۔ ان کا اندازہ آسان نہیں۔ جناب ممدوح کے اس ادعا میں کون شک کر سکتا ہے کہ

اک طفل دبستاں ہے فلاطوں مرے آگے
نقارۂ گردوں نہ کرے چوں مرے آگے
مرغانِ اولی اجنحہ مانند کبوتر
کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں مرے آگے
حیران ہے مرا خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں
بادل سے چلے آتے ہیں مضموں مرے آگے

نواب اچھے مرزا بیک وقت مورّخ بھی ہیں۔ سیاسی مبصر بھی مصنف بھی ہیں شاعر بھی۔ مصلح قوم بھی ہیں مُدبرِ مملکت بھی۔ نثر کی قلمرو ہو یا نظم کی۔ شعر کا میدان ہو یا انشا پردازی کا ایوان۔ اس مردِ خدا کا نہ دم کہیں بندھے نہ قلم! اس پر طرّہ یہ کہ اہلِ قلم ہونے کے ساتھ صاحبِ سیف بھی واقع ہوئے ہیں۔ کیا مجال کہ کوئی بے تُکا بولے اور مرزاجی گرز گراں کو بے کر اس کی سرکوبی پر تیار نہ ہو جائیں۔ خیر وصف مرزائے موصوف کے کہاں تک گناؤں۔ مختصر یہ کہ

اے تو مجموعۂ خوبی۔ بچہ نامت خوانم

مرزائے گرامی قدر۔ داستان امیر حمزہ۔ طلسم ہوشربا۔ ایرج نامہ۔ تورج نامہ۔ کوکب نامہ، ہشت بہشت۔ بوستانِ خیال۔ کتب طلسمات۔ دفاتر نیر نجات۔ فسانہ آزاد قصہ حاتم طائی۔ اور مثنویات سحرالبیان۔ گل بکاؤلی۔ طلسم الفت۔ بحر محبّت وغیرہ کے حافظ۔ اور اساتذۂ سلف کے مجموعہ ہائے کلام (از ولی دکنی تا مرزا غالب) کے مفسر۔ قدردان اور نکتہ سنج ہیں۔ ان کی نثر ونظم پر اردو کے کلاسیکی ادب کی چھاپ اتنی گہری ہے اور اِس بلا کی شوخی اور بذلہ سنجی اس شخص کی انشا میں پائی جاتی ہے کہ صرف با ذوق و باشعور حضرات ہی ان جواہر ادبی کو پرکھ سکتے ہیں۔

ناظرینِ با تمکین! یہ مقالات نواب اچھے مرزا کی پہلی جلد ہے۔ اگر نکتہ شناسانِ ادب نے اس مجموعے کی پذیرائی اور قدردانِ سخن نے اس دفتر کی قدر افزائی فرمائی تو انشاء اللہ تعالیٰ بحول و قوت الٰہی۔ اس مجموعے کی دوسری جلدیں بھی یکے بعد دیگرے نظر نواز اہلِ نظر ہوتی رہیں گی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

آخر میں تمام قارئین فضیلت آئین سے احقر العباد رئیس امروہوی کی درخواست ہے کہ مرزاجی کے طولِ عمر و بلندیٔ اقبال کے لئے دعا فرمائیں۔ لیجئے خوب یاد آیا کسی زمانے میں بدخواہوں نے یہ افواہ اڑادی تھی کہ مرزاجی (لاحول ولاقوۃ) انا للہ وانا الیہ راجعون

ہو چکے ہیں۔ چنانچہ بعض شعرائے نامی گرامی نے حضرت کے قطعات تاریخ وفات بھی مرتب فرمائے تھے۔ لیکن زندۂ جاوید کو موت کہاں ؟ مرزا جی علی الرغم اعدار۔ زندہ ہیں۔ تابندہ ہیں۔ رخشندہ ہیں اور ان شاء اللہ زندہ و تابندہ و رخشندہ رہیں گے۔

الٰہی۔ تا قیامت زندہ باشی
مثال مہر و مہ تابندہ باشی

رئیس امروہوی

(۱۵ مئی سنہ ۵۰ء)

مرزا پھویا کے بیٹے کا خط اپنے ابّا کے نام

جن لوگوں نے مرحوم سید سجاد حیدر یلدرم کے مضامین پڑھے ہیں انہیں غالباً وہ خط یاد ہوگا جو مرزا پھویا نے علی گڑھ یونیورسٹی (جو اس زمانے میں ایم۔او۔ایل کالج تھا) سے اپنے والدِ ماجد کے نام ارسال کیا تھا۔ اس خط میں وہاں کی بدتمیزیوں کا شکوہ کیا گیا تھا۔ مرزا پھویا کا یہ تاریخی خط ادبیاتِ اردو میں لازوال اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ یہ پاکستان اور پاکستانیوں کی خوش نصیبی ہے کہ آج کل مرزا پھویا کے صاحبزادہ بلند اقبال کراچی میں مقیم ہیں۔ مرزا پھویا نے انقلابِ سلطنت کے باوجود لکھنو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اور وہ حضرت اب تک لکھنؤ ہی میں مقیم ہیں۔ لیکن اُن کے بڑے صاحبزادے ہجرت فرما کر پاکستان آ گئے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ بیٹا باپ کے نقشِ قدم پر چلتا ہے۔ مرزا پھویا کے صاحبزادے میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جن کی بدولت اُن کے والدِ ماجد مشہور ہوتے اور ایسے مشہور ہوئے کہ اُن کے خط کو سید سجاد حیدر یلدرم ایسے صاحبِ طرز ادیب نے اپنے مضامین و مقالات میں جگہ دی۔ نواب اچھے مرزا صاحب جب اپنے والدِ بزرگوار سے رخصت ہو کر کراچی کے لئے روانہ ہوئے تھے تو مرزا پھویا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر اور اُن کے بازوؤں پر امام ضامن باندھ کر کہا تھا کہ جانِ پدر! صبر کی سِل سینہ پر رکھ کر تمہیں کراچی روانہ کر رہا ہوں۔ تمہیں قسم جنابِ امیر کی جمعہ کے جمعہ خط بھیجتے رہنا۔ سعادت مند بیٹے نے شفیق باپ کی اس نصیحت کو گرہ میں باندھ لیا اور کراچی چلے آنے کے بعد ہر ہفتہ اس پابندی کے ساتھ مرزا پھویا کو خط لکھنے شروع کئے کہ کیا وزیرِ اعظم پاکستان بھی خط و کتابت میں اس قدر ضابطہ پسند اور باقاعدہ ہوں گے....

"تاریخ اور جغرافیہ سے مرزا پھویا کی دلچسپی عالم آشکارا ہے، آپ کے صاحبزادے کو بھی گویا یہ شوق ورثے میں ملا

ہے۔ آپ نے کراچی سے جتنے خطوط والد بزرگوار کو بھیجے ہیں۔ ان میں جابجا اپنی تاریخ دانی اور جغرافیہ شناسی کا ثبوت دیا ہے خوش قسمتی سے چند خطوط کی نقل ہمارے ہاتھ لگ گئی ہے جنھیں ہم وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہیں گے۔ ذیل میں اس سلسلے کا ایک تازہ ترین خط پیش کیا جاتا ہے۔ پڑھیے اور مرزا چھوپا کے صاحبزادے کی وسیع النظری کی داد دیجیے مگر نہیں توبہ! ابھی میں نے موصوف کا مکمل تعارف کب کرایا ہے؟ موصوف کا نام نامی ہے "اچھے مرزا" اور نام کے قبل اعزاز خاندانی کے مدنظر "نواب" کا دم چھلا لگا ہوا ہے۔ بندر روڈ پر سندھ یونیورسٹی کے عقب میں ایک دو منزلہ عمارت کے اندر مرزا صاحب کا قیام ہے۔ روزانہ شام کو اچکن پہن سموسہ (دو پلی ٹوپی) سر پر رکھ مانگ پٹی سے درست ہو چھڑی ہاتھ میں لے گھر سے نکلتے ہیں اور آدھے شہر کا چکر کاٹ کر گھر میں گھستے ہیں۔ آدمی سپاہی منش ہیں غصہ ناک پر دھرا رہتا ہے ان ہی وجوہ کے سبب تمام محلے والے ان کا پاس و لحاظ کرتے ہیں۔ قصہ مختصر آپ اچھے مرزا کا خط اُن کے والد بزرگوار کے نام پڑھیے اور بیکرا اور اُن کے حق میں دعائے خیر کیجیے!.....

قبلہ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی!

فدوی بخیریت ہے اور حضور کی خیریت مزاج مع علیا حضرت والدہ صاحبہ مدظلہا بدرگاہ الٰہی نیک مطلوب! دیگر احوال آں کہ کراچی کا موسم پچھلے ہفتے سے کافی بدل چکا ہے اور فدوی تداخل فصلیں (موسم کی تبدیلی) کے سبب نزلہ زکام میں مبتلا ہے کل رات بڑی شدت رہی۔ قبلہ نے اپنے شفقت نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ریلوے پارسلوں کی آمدورفت جاری ہو گئی ہے لہٰذا لکھ مجھے کس چیز کی ضرورت ہے تاکہ لکھنؤ سے پارسل کر دیا جائے۔ قبلہ! کیا تحریر کروں، کون سی ایسی چیز ہے جس کی ضرورت نہیں۔ جب لکھنؤ کا خیال آتا ہے آٹھ آٹھ آنسو روتا ہوں اور قسم چھوتے حضرت کی شدت غم سے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو ہو جاتے ہیں۔ ہائے لکھنؤ! تجھ سے کیا بچھڑے جنت سے بچھڑ گئے کیا شہر ہے؟ عالم میں انتخاب کیا خاک ہے اُرلج مسکوں میں لاجواب!

نگاہوں میں پھرے گی وہ بہارِ رنگ و بو برسوں
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

قبلہ! کراچی اتنا بڑا شہر ہے کہ ایک طرف سمندر اور دوسری طرف سندھ کے ریگستان کو بغل میں دبائے بیٹھا ہے مگر خدائے علیم و خبیر شاہد ہے کہ نفاست و نزاکت میں لکھنؤ تو خیر لکھنؤ ہی ہے ناگوری اور ملیح آباد بھی بمراتب اس شہر پر فائق ہیں۔ حد ہے اس شہر میں کنووں کا پانی تک میسر نہیں۔ نل لگے ہوئے ہیں ہر فلیٹ میں! گرم اور کھارا پانی پیتے جاؤ اور جیتے جاؤ۔

قبلہ و کعبہ! آپ واقعی یہ سن کر تعجب فرمائیں گے کہ باوجودیکہ غلام کو کراچی میں رہتے ہوئے ایک سال ہو گیا۔ ہاں ایک سال ہی سمجھئے، شاہ مدار کے مہینے میں لکھنؤ سے چلا تھا اور اب رجب ہے تو اس ایک سال میں غلام کراچی کا صرف ایک چوتھائی حصہ دیکھ پایا ہے اور اگر غالباً عمر بھر فدوی یہاں رہا تو فدوی اس سے زیادہ نہ دیکھ سکے گا کیوں؟ اس لئے کہ قبلہ کو شاید یقین نہ ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ کراچی عجیب ترکیب سے بنا ہے ان فرنگیوں نے بھی غضب کے کارنامے کر دکھائے ہیں۔ اب دیکھئے کہ کراچی کی تعمیر میں بھی ظالموں نے کیا نکتہ پیدا کیا ہے؟ شہر کا ایک چوتھائی حصہ تو زمین پر آباد ہے اور تین حصے ہوا میں۔ فدوی نے کراچی کا صرف وہ حصہ دیکھا ہے جو زمین پر آباد ہے اور وہ تین حصے جو کراچی کے ہوا میں معلق ہیں کبھی نظر سے نہ گزرے۔ گنتے کیسے، فدوی جب بھی بلندی کی طرف دیکھتا ہے چکر آ کر پڑتا ہے، سر گھومنے لگتا ہے اور سینہ اچانے اٹھاتے

گردن کو لقوہ مار جاتا ہے۔ شروع شروع میں ایک آدھ مرتبہ کوشش کی کہ کراچی کی فلک منزل عمارتوں پر نظر ڈالوں، مگر ایک طرف تو ٹوپی سے ہاتھ دھونے پڑے اور دوسری طرف گردن اینٹھ گئی، بس اسی وقت سے کان پکڑ لئے اور عہد کر لیا کہ کچھ بھی ہو فدوی آیندہ ایسی جرأت نہ کرے گا جس میں جان جائے اور گردن تڑوانے کا احتمال الگ ہو۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا (ترجمہ)

(الٰہی پناہ میں رکھ ہم کو ہمارے نفسوں کی شرارت اور بد اعمالی سے)

پیر و مرشد!

غلام کو اپنی اس کوتاہی کا اعتراف ہے کہ اسے صرف چوتھائی کراچی کے حالات کا علم ہے بقیہ تین حصوں کے کیا حالات ہیں اس کو تو وہ علام الغیوب ہی جان سکتا ہے اور یا وہاں کے رہنے سہنے والے! معاف کیجیے گا میں پھر موضوع سے بہک گیا۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ لکھ بھیجے کراچی میں کس کس چیز کی ضرورت ہے تاکہ اسے یہاں سے بھیج دیا جائے۔ قبلہ! ہر چیز کی تکلیف ہے۔ ہائے لکھنؤ کے مہوبہ پان، ہائے لکھنؤ کے چمپئی خربوزے گومتی کے ریت میں پکے ہوئے جنگلی تربوز۔ ہائے میر مدد علی کی دکان کی بالائی، ہائے مرزا بانکے کی دکان کے کباب، ہائے فجو رکابدار کے ہاتھ کی بریانی، ہائے ملیح آباد کے سفیدے، ہائے سندیلہ کے موتی چور کے لڈو، بس ابا جان۔ غلام ہے اور کراچی۔ اور ہائے ہائے! یہاں بالائی کے بجائے آئس کریم کھائی جاتی ہے۔ توبہ توبہ!! پانوں کے متعلق نہ پوچھیے جیسے بھینسے کا چمڑا کہ نہ چبائے جا سکتے ہیں نہ نگلے جا سکتے ہیں، نہ جانے کراچی کے لوگ کتھے اور چونے کے ان لیچڑ پتوں پر کون سا مسالہ لگاتے ہیں؟ قبلہ خربوزوں کے بارے میں کیا عرض کروں، جناب عالی کی قسم ان لوگوں کو یقین ہی نہیں کہ خربوزہ نام کا کوئی پھل خالق اکبر نے خلق کیا ہے یہ تو صرف پپیتے کو جانتے ہیں کیا عرض کیا جائے کہ پپیتا کس بلا کا نام ہے؟ ایک کڑوی کسیلی، بساہندی اور پھیکی چیز ہوتی ہے۔ میں تو اس کو پھل سے یاد کرنا بھی پسند نہیں کرتا خدا جانے اس جنتی پھل سے فائدہ کیا ہے؟ .... اور کباب .... سر پیٹ لینے کا مقام ہے۔ یوں تو دکانوں پر شامی کباب گاؤ دیدہ اور سیخ کے کباب بھی نظر آتے ہیں، مگر ابا جان اونٹ کے گوشت کے۔ لاحول ولا قوۃ۔ حضرت قبلہ! مجھے تو بس اس چیز کی ضرورت ہے جو لکھنؤ کے شرفا کا معمول ہے نعوذ باللہ! اس قدر بد مذاق ہیں یہ لوگ کہ واللہ کپڑے پھاڑ کر صحرائے سندھ میں نکل جانے کو جی چاہتا ہے، اب میں حضور کی معلومات کے لئے کراچی کے مختصر حالات جغرافیائی اور تاریخی نقطۂ نظر سے عرض کرتا ہوں۔

⁂ ⁂ ⁂

"محلِ وقوع"

اس کم بخت شہر کا محلِ وقوع اب تک نہ معلوم ہو سکا۔ تحقیق و تدقیق سے صرف یہ پتا چلتا ہے کہ کسی زمانے میں ایک طرف شہر سمندر سے جس کا نام غالباً بحر الکاہل ہے[1] متصل تھا اور دوسری طرف صحرائے سندھ سے! اب کراچی کا صحیح جغرافیہ اس وقت تک مرتب ہونے سے رہا جب تک صحرائے سندھ اور سمندر کی مکمل حد بندی نہ کر لی جائے۔ اور یہ کسی فرشتے خاں کے امکان میں بھی نہیں۔ حاصلِ کلام یہ کہ نہ کراچی کے محلِ وقوع کا تعین ہو سکتا ہے اور نہ کبھی اس کا جغرافیہ معلوم ہو سکتا ہے۔ پھر جغرافیہ تو ایسے شہر کا معلوم کیا جائے جو اپنے مقام پر ساکن ہو۔ ابا جان قسم چھوٹے حضرت کی، کراچی ان شہروں میں سے ہے جو مسلسل رواں دواں ہیں اور اس خوبصورتی سے کہ کیا مجال کسی کو پتا چلے کہ آج کراچی نے کتنا راستہ طے کر لیا؟ بہرحال راستہ ضرور طے کیا، اس میں کسی کو شبہ نہیں۔ جب میں نے اس بستی میں قدم رکھا تھا تو اس کی ایک حد جھیل اور ایک حد ریل تھی۔ پچھلے نو مہینوں میں یہ شہر کئی فرلانگ ریل سے آگے نکل گیا ہے۔ کچھوے کی چال سے چلا، مگر چلا ضرور۔ سبحان اللہ!..... کیا عجائباتِ قدرت ہیں۔ سچ ہے اگر وہ چاہے تو پتھروں کو قوتِ مردانہ اور پہاڑوں کو لغزشِ مستانہ عطا فرما دے روزانہ یہ شہر انچوں نہیں گزوں کی رفتار سے گامزن ہے۔ اگر یہی رفتار رہی تو ابا جان ایک روز آپ سنیں گے کہ کراچی پا پیادہ سندھ کا صحرا طے کر کے پنجاب کی حدود میں داخل ہو گیا اور اب دلی کی طرف رخ ہے۔ جب کہیں حالات یہ ہوں تو کوئی کیا اس شہر کا محلِ وقوع لکھ سکتا ہے؟......

"آبادی"

سنا گیا ہے۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ اس شہر میں فرشتے آباد تھے یعنی ایسی مخلوق جس کے لیے نہ موت خلق کی گئی ہے نہ رزق اتارا گیا ہے۔ اگر کراچی کے پچھلے باشندے ہماری آپ کی طرح انسان ہوتے تو یقیناً اس شہر میں قبرستان بھی ہوتے۔ لیکن آپ کے فرقِ مبارک کی قسم جب باہر والے اس شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے کوئی قبرستان کراچی میں نہ پایا۔ سو عقلا اس نتیجے پر پہنچے کہ کراچی کے سابقہ باشندے غیر فانی زندگیوں کے مالک تھے اور کبھی موت کے ذائقے سے آشنا نہ ہوتے تھے۔ ساتھ ہی وہ کھانے پینے کے جھگڑے سے بھی آزاد تھے کیونکہ ابا جان معدہ والے جانور تو ستہ ضروریہ (چھ ضروریاتِ زندگی) کی تکمیل پر مجبور ہوتے

---

[1] یہاں مرزا صاحب سے جغرافیہ کی ایک سخت غلطی سرزد ہوئی ہے کراچی سے متصل جو سمندر ہے اس کا نام بحر الکاہل نہیں بحرِ عرب ہے

ہیں۔ لیکن کراچی کے مکانوں میں مجھے کہیں بیت الخلا نظر نہ آئے۔ خوردونوش اور بول و براز لازم و ملزوم ہیں۔ کراچی میں اس وضع کے بیت الخلا تو کہیں دیکھے نہیں جن کے ہم لکھنؤ میں عادی تھے۔ خدا جانے اس شہر کے پہلے باشندے یہ فطری ضرورتیں کیسے پوری کرتے تھے۔ اغلب ہے کہ نہیں کرتے تھے اور خالص نورانی زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ انہیں وجوہ کے پیش نظر احقر کا خیال یہ ہے کہ کراچی کی پہلی آبادی انسانی آبادی نہ تھی۔ وہ لوگ یا جن تھے یا بھوت یا فرشتہ۔ فی الحال کراچی کی آبادی کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ عالم یہ ہے پیرو مرشد کہ "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا"۔ نیز اس موضوع پر کمترین تحقیقات کر رہا ہے۔ کسی اگلے عریضے میں غلام اپنی تحقیقات کے مفصل نتائج سے مطلع کرے گا۔

"تجارت و صنعت و حرفت"

کراچی تجارتی اور صنعتی نقطۂ نظر سے بدرجہ پس ماندہ ہے۔ بھلا جس شہر میں گوٹہ کناری کی صنعت نہ ہو، کامدانی اور زردگری کی دستکاری کوئی نہ جانتا ہو، بیلے چنبیلی کے گجرے بنانے کا ہنر لوگوں کو معلوم نہ ہو، حد ہے اچکن اور غرارے تک کا سینے والا نہ مل سکتا ہو، مرصّع کاری، منبت کاری، نقاشی، پتنگ سازی.... پنجہ بندی۔ قالین بافی اور خطاطی کے کمالات کا کوئی نام بھی نہ لیتا ہو۔ گل دوزی، عطر سازی، خمیرہ سازی سے ناواقفیت عام ہو۔ اس شہر کی تجارت اور صنعت کے متعلق بھلا کوئی کیا رائے قائم کر سکتا ہے؟ ابا جان یہاں کوئی چیز نہیں بنتی۔ یہاں کوئی صنعت موجود نہیں۔ اگر آپ کو ایک نگینے پر نام کندہ کرانا ہو یا مثلاً چنبیلی کے پھولوں کی بدھی تیار کرانا ہو تو غضب خدا کا، اتنے بڑے شہر میں ایک باکمال بھی ان فنوں کا جاننے والا نہ ملے گا۔ اور آخر کراچی میں صنعت اور تجارت کی گرم بازاری ہو تو کیسے ہو؟ درزیوں کو جامدانی اور تنزیب کے اچکن سینے اور اپنا ہنر دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کم بخت بوشرٹ نامی ایک نیم برہنہ لباس شہریوں کا پہناوا بن چکا ہو۔ کلاہ سازی کی صنعت اول تو اس شہر میں خدا کے فضل سے موجود ہی نہیں، اگر شہر کے کسی گوشے میں کوئی کلاہ ساز پڑا بھی ہے تو عنقریب بھاگنے والا ہے۔ کیونکہ اس شہر کے لوگوں نے گویا بہ اتفاق رائے یہ رزولیوشن پاس کر لیا ہے کہ ٹوپی پہننا لازمۂ شرافت نہیں جس کو دیکھو ننگے سر چلے جا رہے۔ قصہ ہی تمام ہو گیا۔ عطر لگانا بھی یہ لوگ نہیں جانتے۔ بہت کریں گے تو کریم کی قسم کی کوئی حماقت ہاتھ سے گالوں پر مل لیں گے۔ ہائے سلیم شاہی جوتوں اور مخملی کفشوں اور نرم پاپوشوں کے لئے جی کیسا کیسا پھڑکتا

ہے؟ مگر کراچی والے کیا جانیں کہ یہ چیزیں کیا ہوتی ہیں؟ یہاں عام طور پر بھاری سینڈل اور پشاوری چپل پہنے جاتے ہیں۔ گویا کراچی والے شہر میں لنتیڑے گھسیٹتے پھرتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلا! اب سر کا پہناوا ملاحظہ ہو۔ دوپلی ٹوپیاں، صافے، عمامے، عاریے، ترکش کیپ، قاچاری کیپ، سر کے یہ سارے پہناوے خارج از فیشن ہیں۔ ایک کلاہ پاپاخ قسم کی بالوں دار ٹوپی یہاں وقت ضرورت سر پہ منڈھ لی جاتی ہے اگرچہ شہر کا عام شعار ننگے سر رہنے کا ہے، تاہم کبھی کبھار تقریبوں میں سر ڈھانکا جاتا ہے تو دور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سر پر بکری کا بچہ بٹھائے چلے آ رہے ہیں، واللہ کیا مسخرہ پن ہے؟

"دوسرا عریضہ"

از کراچی۔ پایۂ تخت پاکستان

۲۲ مئی سنہ ۱۹۵۰ء میلادی (مسیحی)

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی!

فدوی بحمداللہ بخیریت ہے اور خیریت قبلہ و کعبہ کی مع جناب والدہ صاحبہ و خواہر محترمہ چھوٹی بٹیا ولوزن ماما و تتھو خاں چوبدار و خدا بخش ملازم و بہادر مرزا و صف شکن شاہ بشیر (اس مقام پر اتنی وضاحت ضروری ہے کہ اچھے مرزا صاحب اپنے مرغ کو جس کا نام بہادر ہے اور بٹیر کو جس کا لقب پنڈت رتن ناتھ سرشار کے فسانۂ آزاد کی پیروی میں صف شکن شاہ رکھا ہے بے حد پیار کرتے ہیں۔ یہ دونوں لکھنؤ ہی میں ہیں اور اچھے مرزا اکثر خطوں میں مرغ اور بٹیر کو یاد کر کے آنسو بہاتے ہیں) بدرگاہ الٰہی نیک مطلوب..... دیگر احوال یہ ہے کہ جب بہادر اور صف شکن شاہ کا خیال آتا ہے قسم چھوٹے حضرت کی سینے پر کٹار کا زخم لگتا ہے مگر کیا کر سکتا ہوں قبلہ نے اپنے پچھلے شفقت نامے میں تحریر فرمایا تھا کہ بہادر چند روز سے سُست ہے۔ یہ خبر پڑھ کر جو صدمۂ عظیم روح پر گزرا اس کو یا تو میرا دل جانتا ہے اور یا دلوں کا حال جاننے والا!..... قبلہ! بہادر بڑا غیور اور خود دار ہے یقیناً چھوٹی بٹیا (مرزا صاحب کی چھوٹی بہن کا عرفی نام) یا لوزن یا خدا بخش نے اسے تنگ کیا ہوگا۔ والدہ محترمہ سے فرما دیجئے گا کہ بہادر اور صف شکن شاہ کو سانجھ سویرے ڈاپے سے نہ نکلنے دیں کیونکہ جن کا خون کنوارا ہوتا ہے اُن پر اوپر والیوں کا اثر جلدی ہو جاتا ہے ہو سکتا ہے بہادر پر کسی کا سایہ پڑ گیا ہو۔ از برائے خدا کسی عامل سے پوچھئے کہ اس قدر سُستی، اضمحلال اور ناسازیِ مزاج کا سبب کیا ہے؟ صف شکن کی صحت کی طرف سے بھی پریشان ہوں وہ ذرا خفقانی المزاج واقع ہوا ہے پچھلی گرمیوں میں کو میں خود موجود تھا اور اسے بیدانہ اور کاسنی کا افشردہ پلاتا رہا تھا۔ میری درخواست ہے کہ اس مرتبہ بھی یہ معمول ناغہ نہ ہونے پائے۔ چھوٹی بٹیا سے فرما دیجئے گا کہ وہ دونوں کو کربلا تے تال کٹورہ پر لے جا کر چھوٹے حضرت کی ضامنی میں دے دے۔ ہر وقت اس جامع المتفرقین کی درگاہ میں دست بدعا ہوں کہ مدتِ جدائی کوتاہ ہو اور بچھڑے آپس میں مل جائیں۔

اسے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو اس سے مایوس امیدوار

پچھلے عریضے میں غلام نے کراچی اور سندھ کے جغرافیہ، آبادی اور صنعت وحرفت کے متعلق جو نکتے عرض کئے تھے معلوم ہوا کہ وہ ہنوز تشنہ ہیں اور بہت باتیں لکھنے کو رہ گئی ہیں۔ فدوی کو یہ نکتہ حال ہی میں تحقیق ہوا ہے کہ سندھ کا صوبہ پہلے بمبئی کے صوبے سے جڑا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ قائد اعظم کو جوار رحمت میں جگہ دے کہ انہوں نے ۱۹۳۵ء میں اسے کاٹ کر بمبئی سے الگ کر دیا۔ بعض صلحا نے قسمیں کھا کھا کر غلام سے بیان کیا کہ یہ واقعہ صحیح ہے اور پرانے پرانے سندھیوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ کمترین نے خود پیر الٰہی بخش اور سید غلام مرتضیٰ (جن کو انگریزوں نے کسی عتاب کی بنا پر حکم دیا تھا کہ وہ اپنا نام مخفف کر کے جی۔ ایم سید لکھا کریں) اور دوسرے بزرگان سندھ سے اس روایت کی تصدیق کی اور سوال کیا کہ کیا واقعی سندھ ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء سے پہلے بمبئی کے صوبے کے ساتھ پیوست تھا؟ انہیں اول اول تو فدوی کی تاریخ دانی پر حیرت ہوئی پھر پوچھنے لگے سچ بتاؤ تمہیں اتنا پرانا واقعہ جس کا علم بیاہ گیروں میں سے کسی کو نہیں کیسے معلوم ہو گیا۔ جب میں نے ملا حسین واعظ کاشفی کی بحر الغرائب، حسن کی مثنوی بدر منیر اور فیضی کی داستان امیر حمزہ جیسی تاریخی کتابوں کا حوالہ دیا تو قائل ہو گئے اور کہنے لگے ہاں جی! ہمیں اچھی طرح ہوش آگیا تھا۔ عجب کی بات ہے کہ سندھ بمبئی کے صوبے سے باقاعدہ کاٹ کر الگ کیا گیا تھا اور جراحی کا یہ عمل قائد اعظم مرحوم کے حکم سے عمل میں آیا تھا تو پھر ابا جان! اگر یہ واقعہ صحیح ہے اور اس کی صحت عقل سے نہیں تو پھر نقل سے ثابت ہے ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ خود کراچی کا شہر بمبئی کے شہر سے لب بہ لب سینہ بہ سینہ ہوگا۔ جس طرح سندھ کے صوبے کو بمبئی کے صوبے سے قطع کیا گیا ہے اس طرح خود بمبئی کے شہر کی قطع برید کر کے کراچی کو برآمد کیا گیا ہوگا۔ یہاں تک تو یہ مسئلہ صاف ہے۔ اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس شہر کو بمبئی سے سندھ میں لائے کس طرح؟ موجودہ تاریخیں اس سوال کا جواب نہیں دیتیں۔ انتظار کرنا چاہیئے شاید مستقبل میں کوئی مورخ پیدا ہو اور اس پیچیدہ تاریخی گتھی کو سلجھا دے۔ آمدم برسر مطلب یعنی سابقہ خط میں کراچی کے محلِ وقوع اور جغرافیہ کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اس مضمون پر حسبِ ذیل معلومات سے مزید روشنی پڑتی ہے۔

آب وہوا

قبلہ وکعبہ! حضور متعدد شفقت ناموں میں کراچی کی آب وہوا کے بارے میں پوچھ چکے ہیں اور فدوی

---

[1] معاصب کی مشہور کتاب

حیران ہے اس سلسلے میں کیا لکھے؟ بہرحال تعمیلِ حکم میں جو کچھ معلوم ہے پیش کرتا ہے۔ پہلے ہوا کا ذکر مناسب ہے کراچی میں ہوا کی دو[۲] قسمیں ہیں۔ ایک خاص ہوا، دوسری عام ہوا۔ خاص ہوا صرف اُمرا، حکّام اور لیڈروں کے لئے ہے۔ یہ قدرت کا عطیہ نہیں، انسانی کاریگری ہے۔ ہر بڑے آدمی کے گھر میں ایک دو تین چار پانچ دس بیس بجلی کے پنکھے ہیں... جب ان لوگوں کا ہوا کھانے کو جی چاہتا ہے یہ پنکھے "کھل جا سم سم" کہہ کر کھول دیئے جاتے ہیں اور جنّت کی ہواؤں کا لطف آنے لگتا ہے۔ اب رہی عام ہوا جو ہم جیسے چھٹ بھیّوں کے لئے ہے، یہ ہوا دو علاقوں سے امپورٹ کی جاتی ہے۔ بصرہ اور کوئٹہ، کوئٹہ سے براہِ خشکی آتی ہے اور بصرہ سے سمندر کے راستے! سمندر سے ہوا لانے میں بہت کم خرچ پڑتا ہے اور خشکی سے امپورٹ کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سمندری راستے سے ڈھیروں بلکہ ٹنوں ہوا ہر گھنٹہ امپورٹ ہوتی ہے اور کوئٹہ سے سال کے خاص خاص موسموں میں "ٹھنڈی ہوا" امپورٹ کرنے کا لائسنس ملتا ہے۔ سمندر کے راستے جو ہوا کراچی میں درآمد کی جاتی ہے اس کی تقسیم بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔ کمترین نے سابقہ عریضے میں تحریر کیا تھا کہ فرنگیوں نے کراچی کو عجب ترکیب سے آباد کیا ہے کہ ایک حصّہ زمین پر آباد ہے اور تین حصّے ہوا میں۔ غلام نے کراچی کی آبادی کا صرف وہ حصّہ دیکھا ہے جو زمین سے متّصل ہے تو قبلہ! کراچی کے اس حصّے میں ہوا کا راشن مقرر ہے، دن اور رات کے خاص خاص حصّوں میں ہوا کا گزران پست و حقیر اور نیم تاریک فلیٹوں میں ہوتا ہے اور وہ بھی اس قدر احتیاط کے ساتھ کہ معاذ اللہ! ہوا کے بڑے بڑے ڈھیر کوٹھیوں والے اور بنگلوں والے ذخیرہ کر لیتے ہیں اور پھر بلیک مارکیٹ کرتے ہیں ہوا کی۔ منوں بلکہ ٹنوں ہوا خود ان کوٹھیوں میں کھپ جاتی ہے اور تنگ و تاریک فلیٹ والے محروم رہ جاتے ہیں۔ بازاروں اور کوچوں میں بسبب بھیڑ بھاڑ کے ہوا کی اکثر قلّت رہتی ہے۔ بندر روڈ اور صدر پر تو صبح و شام ہوا شکر سگریٹ اور کپڑے کی طرح اکسیر کے مول بکتی ہے تو قبلہ و کعبہ یہ ہے کراچی کی ہوا۔ پانی کی صورتِ حال تحقیق کر کے آئندہ عریضے میں تحریر کی جائے گی۔

فقط

خادم

اچھے مرزا

---

[۱] اس زمانے میں کراچی "ایئر کنڈیشن" سے پوری طرح آشنا نہ ہوا تھا۔

تیسرا عریضہ

اچھے مرزا بنام مرزا چھویا مدظلہ العالے

قبلہ آبا جان!

راقم السطور الحمدللہ بخیریت ہے اور خیریت آنجناب کی مع متعلقین بدرگاہ الٰہی نیک مطلوب دیگر احوال آنکہ کراچی میں ماہ مبارک[1] شروع ہوگیا ہے اور آج الحمدللہ بندے کا پہلا روزہ ہے۔ افطار میں تیس منٹ سترہ سکنڈ باقی ہیں۔ پریشان تھا کہ یہ طویل مدت کس طرح گزاروں؟ اچانک خیال آیا کہ حضور آبا جانی کی خدمت میں نیازنامہ بھیجے ہوئے کئی روز ہوگئے ہیں۔ لاؤ آتی دیر میں خط ہی لکھ ڈالیں۔

قبلہ وکعبہ! کراچی کا دعویٰ ہے کہ وہ مرکز اسلام ہے اور بظاہر ہے بھی لیکن اصل مرکز اسلام تو ارض حجاز ہے جہاں سے نور و ہدایت کے سرچشمے اُبلے اور تکبیر کی پہلی صدا گونجی۔ ارض حجاز کے ہوتے کراچی کا یہ دعویٰ کہ وہ اسلامی دارالخلافہ ہے صریحاً گستاخی تھا۔ چنانچہ اس سال کراچی کو اس گستاخی کی سزا مل گئی اور وہ اس طرح کہ کراچی کے مسلمانوں کو ہلال رمضان سرے سے نظر ہی نہ آیا۔ حجاز شریف میں رویت ہلال جمعہ کے روز ہوئی اور دنیا بھر کے مسلمانوں میں رویت ہلال کا شرف سب سے پہلے اہل حجاز کو حاصل ہوا مگر کراچی والے اتنے بدنصیب تھے کہ ہفتہ کے دن بھی وہ ہلال مبارک رمضان کی زیارت سے محروم رہے یعنی واللہ سر پیٹ لینے کا مقام ہے کہ حجاز شریف میں یاروں نے جمعہ کو چاند دیکھ کر مزے سے روزے شروع بھی کر دیئے اور ہم لوگ کہ قرار داد مقاصد پاس کر کے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ہم نے اسلام، قرآن اور خدا پر معاذ اللہ ناقابل تلافی احسان کیا ہے۔ رویت ہلال کے چوبیس گھنٹے بعد بھی اس واقعہ سے بے خبر تھے کہ اس کرہ ارض پر رمضان شروع ہوگیا ہے، بخدا کیا ستم ظریفی ہے؟ جب ہفتے کی شام کو بھی چاند نظر نہ آیا تو سب لوگ گھبرا گئے۔ مولویوں نے میٹنگ کی، حکام شہر نے مشورے کئے اور آخر یہ طے پایا کہ زمین پر تو چاند کی کوئی خبر نہ ملی آؤ آسمان پر چل کر پوچھیں کہ بھئی آج ہلال رمضان نمودار ہوگا کہ نہ ہوگا؟ ہمارے مولوی ہمیشہ سے بلند پرواز واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس تجویز کو روبہ عمل لانے کی

---

[1] رمضان ۱۳۶۹ھ مطابق جون سنہ ۱۹۵۰ء کی طرف اشارہ ہے۔

ذمہ داری بھی انہیں (نفوسِ قدسیہ) نے قبول کی۔ جزاک علما میں سے چند مضبوط دل والے مولویوں کا انتخاب کیا گیا اور انہیں پاکستانی فضائیہ (پی۔آر۔اے۔ایف[1]) کے ایک بار بردار طیارے میں سوار کرکے عالمِ بالا کی طرف ارسال کیا کہ جاؤ چاند کی خبر لاؤ! انجام کار حضرات علما کی یہ جماعت جو ابھی تک اہلِ زمین کے مسائل نہیں سلجھا سکی عالمِ بالا کے اسرار معلوم کرنے کے لئے آسمان کی طرف پرواز کر گئی۔ سبحان اللہ!

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ با آسمان نیز پرداختی

بندہ کو تحقیق نہ ہو سکا کہ جو علما اس طیارے میں سوار ہو کر چاند کا پیچھا کرنے گئے تھے انہوں نے آسمان پر کس سے یہ پوچھ گچھ کی؟ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد علمائے کرام کا یہ مقدس طائفہ بذریعہ طیارہ زمین پر نازل ہوا اور یہ خبر لایا کہ عالمِ بالا میں سب خیریت ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرتِ چاند کے بارے میں کیا خبر ہے؟ بعض مقدسین نے رویتِ ہلال کی تصدیق کی اور بعض نے سکوت اختیار کیا۔ بہرحال اس آسمانی رپورٹ کے نتیجے میں اعلان کر دیا کہ رمضان کا چاند نظر آگیا۔ چنانچہ قبلہ! آج پہلا روزہ ہے اور غلام یہ سطور اس عالم میں تحریر کر رہا ہے کہ روزہ کو توڑ دینے والا سائرن اپنی پوری بھیانک آواز کے ساتھ چیخ چیخ کر افطارِ صوم کا اعلان کر رہا ہے اور بندۂ درگاہ ہیں کہ سائرن کے شور سے بے پروا قلم دوات سے مصروف ہیں۔

آیا جاڑے!

حجاز شریف میں شہر مبارکِ رمضان کا چاند جمعہ کو نظر آیا اور یہاں ہفتے کو بھی نظر نہ آیا۔ فدوی کے خیالِ ناقص میں قدرت کی طرف سے اہلِ کراچی کو ایک زبردست تنبیہ ہے اور وہ یہ کہ تم کتنی ہی "اسلامی قرار دادیں" کیوں نہ پاس کر لو اور کتنے ہی اسلامستان کیوں نہ بنا لو کارکنانِ عالمِ بالا کی نظر میں ان شعبدہ بازیوں کی کوئی وقعت نہیں، قدرت عمل کو دیکھتی ہے قول کو نہیں دیکھتی۔ بندہ نے تو اس واقعے کے بعد سے فوراً کان پکڑ لئے کہ نہ کبھی قرار دادِ مقاصد کا نام لے گا اور نہ پاکستان کی "اسلامیت" کا ڈھنڈورہ پیٹے گا۔ قبلہ! پانی کے دو گھونٹ اور خرمے کا ایک دانہ کھا کر پھر عریضے کی جانب متوجہ ہوا ہوں جس مکان میں فدوی قیام پذیر

---

[1] سنہ ۱۹۵۰ء تک پاکستان ایئر فورس کو پاکستان رائل ایئر فورس (P.R.A.F) کہا جاتا تھا۔

ہے وہ ایک ایک بہت بڑی کوٹھی کے زیر سایہ واقع ہے اس کوٹھی میں جو صاحب مقیم ہیں، وہ ماشاءاللہ بہت بڑے عہدے دار اور سچے مسلمان ہیں۔ پاکستان کی سب سے بڑی اسلامی حکومت میں ممدوح کو بہت بڑا منصب حاصل ہے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ ان کی داڑھی پاکستان کی اسلامیت کا مقیاس الوزن (تولنے کا آلہ) ہے جب پاکستان قائم ہوا تو یہ مسلمان انڈر سکریٹری "صاحب" ہر طرح فارغ البال یعنی بے ریش و بروت تھے۔ چار ابرو کا صفایا کیا کرتے تھے۔ چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان کا پہلا سورج اُن کے چہرے پر اس طرح طلوع ہوا کہ جن گالوں پر صفائی اور پاکیزگی کے سبب برفستان تنڈرا کا گمان ہوتا تھا اُن پر روحانیت کی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ قیام پاکستان کے پہلے سال میں ان زمانہ شناس انڈر سکریٹری کی داڑھی کی فصل بہت کمزور اور چھدری رہی۔ لیکن دوسرے سال ماشاءاللہ چشم بددور یہ کھیتی خوب پھلی پھولی اور جب ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان پارلیمنٹ نے قرار داد مقاصد پاس کر کے حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا اعلان کیا تو ان بزرگ نے پوری قرار دادِ مقاصد مہندی اور خضاب کے طور پر گیا اپنی داڑھی کی افزائش کے لئے استعمال کرلی اور اب ان حضرت کا ڈاڑھا (داڑھی کا مذکر) اپنے طول و عرض اور ڈیل ڈول کے لحاظ سے.... سرسید احمد خاں مرحوم اور نواب محسن الملک کی تاریخی ڈاڑھیوں کا انتہائی کامیابی سے مقابلہ کرسکتا ہے ان کے مصاحبین کا خیال ہے کہ انشاءاللہ جوں جوں پاکستان ترقی کرتا جائے گا ان پاکستانی انڈر سکریٹری صاحب کی داڑھی بھی گنجان اور طولانی ہوتی چلی جائے گی اور ایک روز وہ وقت آئے گا بعون الٰہی کہ اس داڑھی کے بال بال سے پاکستان کی ترقی کا استناد کیا جایا کرے گا اور کوئی تعجب نہیں کہ یارانِ طریقت جشنِ استقلال پاکستان کے ساتھ ہر سال اس "داڑھی عظیم" کا عرس بھی منایا کریں۔ ابا جان! ایسے بزرگوار کا ہمسایہ بن کر فدوی کو یقین تھا کہ اس سال ماہِ مبارک خوب گزرے گا۔ چنانچہ آج جب کہ پہلا روزہ تھا.... خادم علی الصباح (عمّ کا پارہ لے کر) حضرت کی کوٹھی پر حاضر ہوا تاکہ ہوسکے تو کلام پاک کی تفسیر کا درس لے معلوم ہوا کہ موصوف ڈرائنگ روم میں تشریف فرما ہیں۔ نوکر نے کارڈ پہنچایا طلبی کا حکم لایا، خادم کو سو فیصدی یقین تھا کہ آں ممدوح تلاوتِ کلام پاک میں مصروف ہوں گے، اندر گیا تو دیکھا کہ نورانی داڑھی سگریٹ کے پے بہ پے کشوں سے دھواں دھار ہے اور حضرت کے ہاتھ میں ہالی ڈے میگزین کا تازہ اخبار ہے اور وہ صفحہ زیر مطالعہ ہے جس پر ایکٹریسوں کی عریاں تصویریں چھپا کرتی ہیں۔ انا للہ وانا علیہ راجعون..... قبلہ! آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس غیر متوقع منظر کو دیکھ کر فدوی کو کس قدر

روحانی تکلیف ہوئی ہوگی۔ لیکن ان بزرگ کے مشفقانہ تبسم نے بندے کی ہمت بندھائی۔ انہوں نے ازراہِ خوش اخلاقی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تعمیلِ حکم کے بغیر چارہ نہ تھا۔ بندہ عاجزی کے ساتھ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا اور کلام پاک بغل میں دبا لیا۔ خیر سلا کے بعد حضرت نے سگریٹ پیش کیا تو فدوی نے روزے کا عذر کیا۔ حیرت سے کہنے لگے " اخاہ! روزے شروع ہو گئے" ایک عظیم الشان اسلامی داڑھی کے مالک کی زبان سے روزہ کے متعلق اجنبیت اور بیگانگی کے یہ کلام سن کر غلام شرم سے پانی پانی ہو گیا اور اپنی حماقت پر لاحول اور اُن کی اسلامیت پر انا للہ پڑھتا ہوا ملاقات کے کمرے سے باہر نکلا۔ کوٹھی کے دروازے پر دیکھا کہ ایک بوڑھا پٹھان مونڈھے پر بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ غریب اس کوٹھی کا چوکیدار ہے تب فدوی کو اندازہ ہوا کہ رمضان شریف اس کوٹھی کے دروازے تک پہنچے ہیں۔ انہیں آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور ہمت ہوتی بھی کیسے؟ ایک انڈر سکریٹری کے گھر میں مداخلت آسان ہے؟

ابا جان! روزہ نماز کے سلسلے میں جو عالم ان بزرگ کا ہے۔ کراچی کے طبقہ حکام اور جماعتِ امرا کی اکثریت کا حال یہی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سب سچے پاکستانی ہیں۔ انہوں نے دنیا کی اس سب سے بڑی اسلامی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے دن رات کام کیا ہے۔ رہی اسلامیت اور خدا پرستی تو اچھا ہے کہ اس موضوع کو نہ چھیڑا جائے، نہ جانے مرزا داغ دہلوی کا شعر ہے یا حافظ شیرازی کا۔ بہر حال شعر ہے خوب۔ اور اس موقع پر کس قدر برمحل۔ عرض کرتا ہوں ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد ۔۔۔ وائے اگر در پس امروز بود فردائے

کراچی میں سرکاری طور پر رمضان آج سے شروع ہو چکا ہے۔ لیکن عملی طور پر مجھے یہ بزرگ بجز لیاری کوارٹر اور چاکیواڑہ کے کہیں نظر نہیں آئے۔ سید ہاشم رضا صاحب[۱] نے ہوٹل کے مالکوں کو حکم دیا تھا کہ وہ احترام ماہِ صیام کو ملحوظ رکھیں۔ یہ احترام اس طرح سے ملحوظ رکھا گیا کہ آج سے تمام ہوٹل، تمام چائے خانے اور تمام ریستوراں برقعہ پوش ہو گئے۔ مطلب یہ کہ اُن کے صدر دروازوں پر چقیں اور پردے پڑے ہوئے ہیں اور اندر سب کام چالو ہیں۔ سید ہاشم رضا صاحب

---

[۱] سید ہاشم رضا۔ ناظم کراچی

کے حکم کی تعمیل بھی ہوگئی اور گاہکوں کی خوشنودی کا سامان بھی مہیا کردیا۔ اب کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ محتسب را درونِ خانہ چہ کار

آج فدوی ساری دوپہر شہر میں گھوما اور فدوی نے ہر جگہ اسی قسم کے مناظر دیکھے۔ انشاءاللہ بہ شرطِ فرصت کسی آیندہ عریضے میں کراچی کے رمضان شریف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ فی الحال یہ عریضہ ختم کرتا ہوں۔

فدوی۔ اچھّے مرزا

مرزا جی کے صرف تین خط بندہ کے ہاتھ آئے ہیں۔ نہ جانے اس کے بعد موصوف نے اپنے والدِ ماجد مرزا پھویا صاحب قبلہ کو عریضے بھیجنے بند کردیے یا اُن کی نقول محفوظ نہ رہیں..... بہرحال اس خط کے بعد جتنے خط کراچی سے لکھنؤ روانہ کئے گئے اُن کی نقول بندہ کے پاس نہیں ہیں...... خیر خطوط سے قطع نظر، آئندہ صفحات میں مرزا صاحب کی طبع گل ریز کے دوسرے کرشمے ملاحظہ فرمائیے۔

کراچی میں نواب اچھّے مرزا صاحب قبلہ کی مٹرگشت

دو تین ہفتے سے مرزا صاحب قبلہ صاحب فریش یعنی بستر گیر تھے۔ علالت تو کوئی خاص نہ تھی بس نزلہ و زکام کی شکایت ہوگئی تھی، البتہ تشویشناک امر یہ تھا کہ اسی زمانے میں کسی شقی نے یہ خبر اڑا دی کہ مرزا صاحب پر جادو کرا دیا گیا ہے اور غالباً اس میں حکومت کا ایما شامل ہے تاکہ بد نصیب اعدا، مرزا صاحب قبلہ جادو کے زور سے مکھی یا مچھّر بن کر رہ جائیں اور حکومت انکی تیغ زباں اور یا زبان تیغ کے زخموں سے محفوظ ہو جاتے۔ مرزا صاحب کو یہی وہم چمٹ گیا۔ ایک روز نیاز مند سے فرمانے لگے کہ میاں ذرا فال تو کھلواؤ کہ اس علالت کی لِم کیا ہے؟ میں نے دست بستہ گزارش کی کہ تداخل فصلیں (موسمی تبدیلی) کے سبب تحریک نزلہ ہوگئی ہے اور کچھ نہیں مرزا صاحب اس تقریر پر چڑھ گئے فرمانے لگے کہ:

"آپ کب سے شفا الملک قرار پاگئے؟ یعنی قسم کلام پاک کی، حیرت ہوتی ہے آپکے بولنے پر۔ یہاں عالم یہ ہے کہ دل پر بوجھ سا رہتا ہے، آنکھوں کے سامنے ہر وقت سیاہ سیاہ چہرے ناچتے رہتے ہیں۔ راتوں کو بدخوابی ہوتی ہے، کانوں میں طرح طرح کی آوازیں گونجتی ہیں، دماغ اڑا اڑا سا رہتا ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ کچھ بھی نہیں، تحریکِ نزلہ ہے، ارے بھئی یہ سب علاماتِ سحر ہیں، مجھ پر جادو کرایا گیا ہے اور عجب نہیں کہ بنگالی جادو ہو، آپکے وزرائے عالی تبار ڈھاکہ جاتے رہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کامروپ ڈھاکہ یا کھلنی بن سے کوئی جادوگر وادوگر پکڑ لائے ہوں اور بزور سحر

مرزا کو تگنی کا ناچ نچا رہے ہوں۔

خیر صاحب..... مرزا جی کو جادو کی ایسی پڑھی کہ ردِ سحر کا عمل شروع کرا دیا گیا، اب نہ جانے یہ اس عمل کا اثر ہے یا موسم کے سنبھل جانے کا کہ مرزا صاحب بحمداللہ چاق و چوبند ہو گئے ہیں اور حسبِ دستور اپنے معمولات ادا فرما رہے ہیں، چنانچہ کل نیاز مند کو ہمراہ لے کر کراچی کی سیر کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سیر گشت کی روداد درج ذیل ہے۔

نادِ علی پڑھ کر مرزا جی نے گھر سے باہر قدم نکالا تو ایک اونٹ سے ٹکر ہوتے ہوتے بچ گئی ہوا یہ کہ اونٹ لمبی گردن اٹھائے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے سڑک سے گزر رہا تھا کہ مرزا جی اس کی جھپٹ میں آ گئے۔ کوئی تعجب نہ تھا کہ حضرت وہیں اونٹ کے ساتھ یک جان دو قالب ہو کر سڑک مارکہ شہید کا رتبہ پا جاتے لیکن افضالِ الٰہی نے دستگیری کی اور اونٹ مرزا جی کی اس مداخلت فی السڑک کا نوٹس لئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ یہ واقعہ زیادہ سے زیادہ چند لمحے کا تھا۔ لیکن بخدا قیامت کے تھے یہ لمحے مرزا صاحب کا وہ حال کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں.... زرد پڑ گئے، پسینے چھوٹ گئے، ہوش اڑ گئے، مگر واہ رے جوانمرد! اتنا بڑا حادثہ اونٹ کی شکل میں گزر گیا اور نہ غش آیا نہ زاف (ساکت و بے خبر) ہوتے، کہا تو یہ کہا کہ رضینا بالقضاء وتسلیماً لامرہٖ (ہم خدا کے حکم پر راضی اور اس کے فرمان کو تسلیم کرتے ہیں) پوچھا کہ حضرت کیا ہوا؟ بولے کہ آپ کا خیال تھا کہ سحر کا اثر دور ہو گیا ہے مگر تسم چھوٹے حضرت کی ابھی تو پری طرح "پنڈ" نہیں کٹا۔ وہ کیسے قبلہ؟ (بندے نے سوال کیا) بھئی لاحول ولا قوۃ۔ مردِ خدا کچھ تو سمجھ بوجھ کا ثبوت دیا کرو یعنی اتنا بڑا اونٹ سامنے سے گزر گیا اور آپ کچھ نہ سمجھے"!

حضرت آپ نے سمجھا دیا ہوتا..... اونٹ اور جادو کا تعلق میری سمجھ میں نہیں آتا"

مرزا صاحب:۔ (سنجیدگی بلکہ تاسف کے لہجے میں) افسوس مرزا کے ساتھ آپ کو اتنا عرصہ گزر گیا۔ لیکن نہ دماغ کی صفائی ہوئی نہ ذہن پر جلا۔ میاں میرے (بزرگانہ شفقت کے لہجے میں) اونٹ کہاں تھا؟ جادو کا شعبدہ تھا جو مرزا کو پریشان کرنے کے لئے دکھلایا گیا تھا ورنہ اونٹ کی یہ مجال تھی کہ اس احقر ننگِ خلائق پر دست درازی..... توبہ!..... گردن درازی کر سکے؟ لاحول ولاقوۃ قسم قرآن کی اصلی اونٹ ہوتا تو چوں نگ نہ کر دیتا مرد کہ وہ تو کہیئے کہ یہ مقدمات ہی اور ہیں اور ان مقدمات میں ہاتھ چلتا ہے نہ زبان۔ جادو کی کاٹ تو جادو ہے برخوردار! خیر بتچہ دکھائے جائے شعبدے، ما بدولت

بھی غافل نہیں ہیں۔ قسم جناب امیرؑ کی جس دن دو لوحِ طلسمی، تیار ہو گئی، دیکھوں گا کون نابکار سامنے آتا ہے؟ تم اونٹ تیار کرو گے، ہم ہاتھی بنائیں گے تم مرغ ایجاد کرو گے ہم تلّی تصنیف فرمائیں گے۔ تم مکھی بنو گے ہم پتنگے کا روپ دھاریں گے۔ مگر ذرا لوحِ طلسمی تیار ہونے دو۔

خیر صاحب اس حادثۂ عظیم کے بعد مرزاجی آگے بڑھے، مگر چاروں چول چوکس، اِدھر اُدھر دیکھتے جاتے اور قدم قدم پر دعائے سِحر پڑھتے تاآنکہ یہ خانہ خراب اور مرزائے فضیلت مآب ہر دو بندر روڈ پر پہنچے، دیکھا کہ ایک طرف بڑا ہجوم ہے، یہاں تک کہ سڑک کی آمد و رفت میں خلل پڑ رہا ہے تحقیق کا مادّہ اللہ کے اس بندے کو ورثے میں ملا ہے اگر کوئی بات سمجھ میں آنے سے رہ جائے تو کھانا ہضم نہیں ہوتا معدے میں نفخ ہو جاتا ہے، پیٹ میں قراقر ہونے لگتی ہے۔ مرزاجی "بجسم مردماں" دیکھ کر لپکے اور مجمع میں رِل مِل گئے۔ فدوی سائے کی طرح ساتھ تھا۔

دفترِ تلاشِ روزگار

سبحان اللہ عجب منظر دیکھنے میں آیا، ایک احاطے میں ہزار دو ہزار مخلوقِ خدا جمع ہے اور ایک قطار کی قطار آدمی کسی کھڑکی کی طرف جا رہے ہیں۔ مرزا صاحب سمجھے کہ جنگ چھڑ گئی اور شہر میں "لام بندی" کی منادی کر دی گئی ہے اور یہ سب لوگ بھرتی ہونے جا رہے ہیں۔ بس یہ خیال آتے ہی ماشاء اللہ، سبحان اللہ رگوں میں شجاعت کا خون جوش مارنے لگا۔ آنکھوں میں نشۂ حرارت کے ڈورے تیر گئے۔ وہیں سے نعرہ مارا۔

علی امام من است و منم غلام علی
ہزار جان گرامی فدائے نام علی

ہر کہ داند بداند و ہر کہ نداند بداند منم شہسوار عرصۂ سپہ گری و سالار قافلۂ دور آوری شیر نیستاں شجاعت رستم پاکستان زینک گاما پہلوان شیر شرزہ (غضبناک شیر) الملقب بہ اچھے مرزا۔

منم اچھے مرزا ئیل پیل تن	بڑا زور آور بڑا صف شکن
کبھی خوف سے سر جھکاتا نہیں	حکومت کو خاطر میں لاتا نہیں
کسی سے دلیری میں کچھ کم نہیں	مجھے سیفٹی ایکٹ کا غم نہیں

مرزا جی کے نعرہ ہائے فلک شگاف کو سن کر تمام مجمع سناٹے میں رہ گیا کہ الہٰی! یہ کون بگڑے دل آ پھنسے۔ ایک جمعدار نے آگے بڑھ کر کہا کہ حضرت یہ اکھاڑہ نہیں دفترِ تلاشِ روزگار ہے۔"

مرزا صاحب :۔ (حیرت سے) دفترِ تلاشِ روزگار کیا؟"

جمعدار :۔ جہاں لوگوں کو روزگار دلایا جاتا ہے۔"

مرزا صاحب :۔ (کڑک کر) تفصیل سے بیان کرو۔"

جمعدار :۔ "تفصیل یہ ہے قبلہ! کہ ہماری سرکار دولت مدار نے یہ دفتر ان لوگوں کے لئے کھول رکھا ہے جن کے لئے نہ رزق ہے نہ موت۔ مختصر یوں سمجھئے کہ گھر سے فالتو ہیں۔ ڈیوٹی ان کی یہ ہے کہ صبح حبیب اللہ کے نیک بندے بخاری مسجد کا رخ کرتے ہیں تاکہ دوگانہ پڑھ کر دن کا کاروبار شروع کریں۔ یہ لوگ ننگے پاؤں نہار منہ خاک پھانکتے کنویں جھانکتے اس دفتر میں آن مرتے ہیں۔"

مرزا صاحب :۔ یہاں کیا کرتے ہیں۔"

جمعدار :۔ "جی ایک کام ہو تو بتاؤں۔ گالیاں کھانے سے پٹنے تک جتنے کام انسانی عقل میں آسکتے ہیں۔ بحمداللہ وہ سب کے سب دن بھر میں انجام پاجاتے ہیں۔"

مرزا صاحب :۔ یہاں کے حاکم ذی شان کا اسم گرامی؟ وطن شریف؟ مولد و مسکن؟ اتا پتا؟ نام و نشان؟ وضع قطع؟ چال ڈھال؟ رنگ روپ؟ وغیرہ وغیرہ۔

جمعدار :۔ یہ تمام تفصیلات تو کیبنٹ سیکریٹریٹ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ غلام تو یہ عرض کر سکتا ہے کہ سبحان اللہ! کیا قدر دان حاکم ہیں۔ نوابوں کے نواب، پنڈتوں کے رئیس جسے چاہا نہال کر دیا جس نے سر اٹھایا پامال کر دیا۔"

مرزا صاحب :۔ قسم کلام پاک کی۔

جمعدار :۔ جی آپ کے سرِ عزیز کی قسم

مرزا صاحب :۔ اچھا تو جاؤ ہمارا سلام بول دو۔

جمعدار :۔ قبلہ ہمارے ولی نعمت ہر ایرا غیرا نتھو خیرا سے نہیں ملتے۔

مرزا صاحب :۔ (بمشکل غصہ پی کر) تم ہمیں جانتے ہو؟

جمعدار :۔ جی نہیں۔

مرزا صاحب :- آپ لئے معافی کے مستحق ہو بلکہ قسم قرآن کی انعام کے بھی کیونکہ ماشاء اللہ دلیر واقع ہوتے ہو اور مرزا ہمیشہ سے دلیروں کا قدر دان ہے ۔ یہ فرما کر مرزا صاحب آگے بڑھے اور مجمع کو دیکھتے بھالتے باہر آگئے ۔ نیاز مند ساتھ تھا۔ جب کھلی ہوا میں پہنچے تو ذرا طبیعت کھلی ۔ نیاز مند سے فرمانے لگے کہ آپ دیکھ رہے ہیں اپنی حکومت اب مدت کے کارنامے؟ یعنی اب تک رزق و روزگار کا بندوبست اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی تحویل میں رکھا تھا کہ بقول آیہ کریمہ (جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے) مگر واہ ری حکومتِ پاکستان! دفتر تلاشِ روزگار قائم کر کے خدائی کا دعویٰ بھی پیش کر دیا ۔ گویا رزق و روزی کا تعلق خدا سے نہیں بندوں سے ہے ۔ تعجب ہے کہ مولانا (کثر اللہ امثالہم) نے حکومتِ پاکستان کو "حکومتِ کفر" اور "سلطنتِ باطل" ثابت کرنے میں تو ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر بے پردگی اور مغرب زدگی سے زیادہ کوئی دلیلِ کفر نہ پیش کر سکے ۔ کوئی ان مولوی صاحب کو بتلائے کہ حضرت آپ تو فقط کفر و باطل تک ہی محدود رہ گئے ۔ یہاں تو کھلم کھلا "شرک والحاد" کا مظاہرہ ہو رہا ہے ۔ یعنی حکومتِ پاکستان تلاشِ روزگار کے دفتر قائم کر کے اس رزاقِ مطلق کے کاموں میں دخل اندازی کر رہی ہے ۔ آپ فقط تکفیر کے فتووں پر کیوں قناعت کئے بیٹھے ہیں بسم اللہ آگے بڑھئے اور شوق سے الحاد کے الزامات لگائیے اور دفتر تلاشِ روزگار کے ہزاروں چپڑ قناتیوں کی گواہیاں دلوائیے ، پھر دیکھئے کہ کیا حشر ہوتا ہے حکومت کا "

خیر جناب! مرزا صاحب ان ہی باتوں میں مگن جا رہے تھے کہ اچانک پاؤں رپٹا اور قریب تھا کہ " مانند اشکِ خاک پہ ہم گر کے رہ گئے ۔" کا مضمون نظر آئے یعنی مرزا صاحب بیچ سڑک " ڈھیر" ہو جائیں کہ نیاز مند نے سہارا دیا اور مرزا صاحب سنبھلے ، دیکھا تو سنترے کا ایک چھلکا مزاجی کے جوتے سے ہم آغوش ہے اور یہ رپٹن اسی کی "چپٹن" کے سبب ظہور پذیر ہوئی ہے ۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ ملاحظہ فرماتی آپ نے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے دارالخلافے کے آزاد شہریوں کی سلیقہ مندی کہ سرِ بازار سنترہ چھیلتے اور چھلکے پھینکتے پھرتے ہیں اور ذرا خیال نہیں آتا کہ ....

برسرِ بازار بدتمیزی اور پھوہڑپن کا مظاہرہ پاکستان کے حق میں کتنا زبوں ہے؟ ایک صاحب سڑک پر بیٹھے " شاشیدن" کی گردان گردان رہے تھے انہوں نے جو مرزا کی یہ نکتہ چینی سنی پیشاب کرتے ہی میں پکارے کہ حضرت آپ کو ہمارے سرعزیز کی قسم ، جب تک ہم نہ آلیں آگے نہ بڑھئے گا .....

مرزا صاحب نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک بزرگ بقدِ ہیئت و دو انگشت داڑھی چہرے پر، سر پر صافہ، پیشانی پر شرافت کا نور، اکڑوں بیٹھے موت رہے ہیں، تاؤ آ گیا مرزا جی کو۔ مگر غصہ ضبط کر کے فرمایا کہ اونٹ بوڑھا ہو گیا مگر موتنا نہ آیا!"

ان صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے پھبتی کسی کہ ماشاء اللہ آپ تو راہ چلتے لید فرما رہے ہیں۔ مرزا جی نے کہا کہ حضرت اگر حاجت برآری نہ ہو رہی ہو تو "حاجتی" رکھوا دوں .....

بزرگ :۔ اس کی کیا حاجت ہے، جب آپ جیسا "مہتر" موجود ہے۔

مرزا جی :۔ بابِ اجابت وا ہے۔ دعا کیجئے، پھر ایسا وقت مشکل سے آئے گا کہیں پھر قبض نہ ہو جائے۔

بزرگ :۔ سر دست تو اس کی شکایت ہی نہیں۔ البتہ اس حال میں حضور خود مبتلا معلوم ہوتے ہیں۔ الغرض پیشاب کرتے ہی کرتے ان صاحب نے ایسے ایسے جوابات دیئے (اور بقول مرزا جی کے ایسے ایسے جوابات موتے) کہ راہ چلتے دنگ رہ گئے۔ خیر جب وہ استنجے سے فارغ ہوئے تو مرزا جی نے انہیں گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ:

اگرچہ تم اس وقت بر سرِ بازار سخت ناہنجاری کا ثبوت دے رہے تھے مگر ماشاء اللہ طبیعت بڑی حاضر جواب پائی ہے کس تھان پر بندھے ہو؟"

بزرگ :۔ لالو کھیت میں۔ جہاں اگر حضور قدم رکھیں تو "الف" ہو جائیں۔

مرزا صاحب :۔ کسی چابک سوار کی ران تلے نکلے کہ نہیں۔

بزرگ :۔ جب حضور ہی رسی تڑا کر بھاگ رہے ہیں اور قدم قدم پر چکپھیریاں دے رہے ہیں تو اور کس سے امید رکھوں؟

مرزا صاحب :۔ اچھے خاصے ٹٹو ہو، منہ زوری کا علاج کراؤ؟

بزرگ :۔ حضور تو خود آٹھوں گانٹھ کمیت ہیں سینکڑوں کھیت چر چکے ہیں۔

مختصر یہ کہ ان صاحب نے مرزا جی سے خوب خوب منہ زوریاں کیں اور آخر کار یہ وعدہ لے کر ٹلے کہ مرزا جی کسی روز چہل قدمی کرتے ہوئے لالو کھیت تشریف لائیں گے۔

"قارئینِ باتمکین کو معلوم ہو چکا ہے کہ قبلہ نواب اچھے مرزا صاحب نے باوجود نقاہت و ناتوانی کے کراچی کا دورہ شروع کر دیا ہے۔ قبلہ مرزا صاحب کا پہلا "دھاوا"، دفترِ تلاشِ روزگار پر ہوا تھا۔ وہاں کی بدنظمیاں اور بے عنوانیاں معلوم فرما کر مزاج کو سخت غصہ آیا۔ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ تاوقتیکہ "دفترِ تلاشِ روزگار کو انقلابِ روزگار کے پنجے سے نجات نہ دلادیں گے "پانچواں عقد" نہ فرمائیں گے دفترِ تلاشِ روزگار کے سرسری معائنے سے مرزا صاحب کو یقین ہوا کہ شہر کے تمام سرکاری دفاتر کی حالت کم و بیش یہی ہوگی۔ بنا بریں اس شیرِ خدا کے شیر نے فیصلہ کیا کہ ہر دفتر میں بذاتِ خود پہنچے گا اور جو شخص خواہ حاکم ہو یا محکوم سستی، غفلت، حرام خوری، سگریٹ نوشی، چائے نوشی، رشوت ستانی، بدزبانی، صوبہ پروری، اعزا پروری اور کاہلی کرتا ہوا پایا جائے گا یا ستاتا ہوا وقت کھوتا ہوا جمائیاں لیتا ہوا.... اونگھتا ہوا، باتیں بناتا ہوا، ڈینگیں مارتا ہوا، دوسروں کو للکارتا ہوا یا گاتا گنگناتا ہوا اور ناچتا کودتا پکڑا جائے گا اسے فی الفور کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ نظر بہ امور بالا تمام کرسی نشینیاں دفاتر سرکار کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ جب تک مزاج کا دورہ جاری ہے جرائم مذکورہ بالا میں سے اگر وہ کسی جرم کے مرتکب ہوتے ہیں تو اپنی اور اپنے بال بچوں کی بہبودی کے پیشِ نظر اس سے دست کش ہو جائیں، اصلاح کر لیں۔

"پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی"

خیر یہ ایک جملۂ معترضہ تھا۔ اس دورے کی دوسری قسط درج ذیل ہے:

مزاج صاحب خراماں خراماں فیلِ مست کی طرح جھومتے اور نشۂ شجاعت میں اپنی چھڑی کی موٹھ چومتے آگے بڑھے تو عجیب تماشا نظر آیا، دیکھا کہ بندر روڈ کے ایک چوراہے پر تمام آیندہ و روند، موٹر کاریں، رکشائیں وکٹوریاں اور آدمی رکے کھڑے ہیں اور چوراہے کے بیچوں بیچ ایک سپاہی کھڑا ناچ رہا ہے۔ یہ ہنگامہ دیکھ کر مزاج کے قدم رک گئے۔ عینک کے دہنے تال کی شست باندھ کر انہوں نے دیکھا تو غرقِ حیرت ہو گئے کچھ دیر تک گم سم اس ماجرائے عجیب کو ملاحظہ فرماتے رہے پھر سنجیدہ لہجے میں نیازمند سے کہا۔

مرزا صاحب:- واہ رے البیلے حکمرانو!

نیازمند:- کس طرف اشارہ ہے قبلہ؟

مرزا صاحب:- آپ کے حکام والا شان بھی بخدا اس عہد کے جانِ عالم پیا واقع ہوئے ہیں اے سبحان اللہ! ناچنے گانے کی طرف جو مزاجِ مبارک مائل ہوا تو سرِ چوراہے پر ناچ نچوا دیا۔

سر بازار می رقصم بروئے دار می رقصم

نیازمند :۔ یعنی؟

مرزا صاحب :۔ (تاؤ کھا کر) یعنی کیا؟ آپ کا سر۔ مردِ خدا نظر نہیں آتا یہ تماشا؟

نیاز مند :۔ بخدا بندے کی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضور کا "ناچ" سے کیا مدعا ہے؟

مرزا صاحب :۔ یا کس بلا کے غبی واقع ہوئے ہو؟ یعنی سامنے ایک زنخہ، سپاہی کی وردی پہنے برسرِ عام ناچ رہا ہے اور تمام مخلوقِ خدا اس کا ناچ مزے لے کر دیکھ رہی ہے اور جناب دریافت فرما رہے ہیں کہ ناچ سے کیا مطلب ہے؟

نیاز مند :۔ قبلہ (دھیمے لہجے میں) از روئے خدا آہستہ بولئے یہ زنخہ نہیں ہے۔ حضرت پولیس کا سپاہی ہے اور ٹریفک کو کنٹرول کر رہا ہے اگر بہ نصیبِ اعدا کسی دشمن نے یہ بھنک سن پائی کہ حضور ٹریفک کنٹرولر کو "زنخہ" سمجھ بیٹھے ہیں تو ......

مرزا صاحب :۔ تو کیا ہوگا برخوردار؟

نیاز مند :۔ حضور پر سیفٹی ایکٹ کا اطلاق واجب ہو جائے گا۔ انصاف سے درگزر کرنا مردِ مومن کا شیوہ نہیں اور انصاف یہ ہے کہ مرزا صاحب خواہ مخواہ بات کی پچ کرنے کے عادی بھی نہیں۔ یہ ایک بدنصیبی تھی کہ وہ ٹریفک کے سپاہی کو زنخہ "سمجھ بیٹھے۔ لیکن جب انہیں اپنی غلط فہمی کا احساس ہوا تو چہرۂ مبارک پر قدرے شرمندگی کے آثار نمایاں ہوئے اور بڑے نرم لہجے میں نیاز مند سے فرمانے لگے کہ

" بھیا ... واقعی بڑی چوک ہوئی اور یہ بھی قسم کلام پاک کی۔ جادو کا اثر ہے، خدا ان لوگوں کو سمجھے جنھوں نے مرزا کا دماغ معطل کرنے کے لئے یہ داؤ چلا ہے ورنہ کیا ایسی "حماقت" سرزد ہو سکتی تھی، اچھا بھئی آؤ اب کسی ہوٹل میں بیٹھ کر شغل کریں۔ مرزا صاحب واقعی اسقدر آزردہ بلکہ شرمندہ سے تھے کہ دم لئے بغیر آگے بڑھنا امکان سے باہر تھا۔ چنانچہ خاکسار تریں اور مرزا صاحب بہ نفسِ نفیس ہر دو۔ ایک ہوٹل میں داخل ہوئے، مرزا جی نے اپنی جیب سے ڈبیا نکالی اور بقدر تین ماشے کے افیون نکال کر چائے کی پیالی میں گھولی اور اطمینان سے ایک گوشے میں بیٹھ کر مزے دار چسکیاں لینے لگے...

اتفاق سے وہاں سچ مچ کا ایک زنخہ موجود تھا اور طرح طرح کی نقلیں کر کے لوگوں کا دل بہلا اور انعام وصول کر رہا تھا۔ مرزا جی بھی چسکیاں لے لے کر دلچسپی کے ساتھ اس کے ناز نخرے دیکھ رہے تھے کہ اچانک

ہوٹل میں کسی مسخرے نے پرودی کی کہ ابے! ان غریبوں سے کیا پیسے دو پیسے وصول کر رہا ہے اگر انعام ہی لینا چاہتا ہے تو جا وہ جو صاحب ہوٹل کے ایک گوشے میں بڑے بانکپن سے بیٹھے برفیاں نقل فرما رہے ہیں۔ اُن کی سلامتی کی دعا مانگ! اور ان سے انعام وصول کر!

زنخہ تھا سیانا۔ بات پا گیا اور مرزا جی کی طرف بڑھا، ناز نخرے کرتا جھٹ مرزا جی کے سامنے آ کر فرشی سلام کیا اور پھر ایکدم ناچنے لگا۔

آ ہے آ ہے پیا مرے بانکے پیا!
میرے پیارے پیا
میرا بھولا سا دل میری ننھی سی جان
ترے اوپر فدا میرے بانکے پیا!
مرے پیارے پیا!
ترے گھوڑے کی خیر ترے کوڑے کی خیر
مجھے اپنا بنا! مرے بانکے پیا
مرے پیارے پیا!

مرزا جی کرسی پر بیٹھے یہ سب تماشے دیکھتے اور مسکراتے رہے۔ زنخے کا ناچ تھا دلچسپ جس کو دیکھنے کے لئے ہوٹل کے آس پاس لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے تھے اور سب زنخہ کی سیر دیکھ رہے تھے۔ جب زنخہ ناچ چکا تو نقلیں شروع کیں۔ پہلے "سلامتی کا گیت" گایا۔ پھر گاگرے کا دامن پھیلا زمین پر بیٹھ کر زچہ کا روپ دھار لیا۔ دوپٹے کے آنچل کو مٹر موڑ کر فرضی بچہ بنایا اور اسے گھٹنے پر بٹھا کر اور گھٹنا ہلا ہلا کر "ٹیہوں ٹیہوں" کرنے لگا جیسے بچہ رو رہا ہے۔ جب کچھ دیر ہوگئی اور بچہ بچہ روتے چپ نہ ہوا تو بڑے نخرے سے بولا۔

"اے ہے نگوڑا روتے روتے ہلکان ہوگیا۔ چپ رہ میرے لال دودھ پئے گا؟ اے ہے کہاں سے لاؤں دودھ! چھاتیاں تو لالو کھیت کے نلوں کی طرح سوکھی پڑی ہیں تیرے آبا نوکری ہی نہیں کرتے نصیبوں جلی زچہ گوند پنجیری کو ترس رہی ہے بچے کے لئے گھونٹی کہاں سے آئے؟" زنخے کی اس پھبتی پر تمام ہوٹل قہقہوں سے گونج اٹھا۔ مرزا جی سمجھ گئے کہ پھبتی اُن پر کسی گئی ہے۔ بس فوراً خون تاؤ کھا گیا۔

ماتھے پر شکن اور بیر دیو بل پڑ گئے۔ کٹار پر ہاتھ ڈال کر کہنے لگے کہ کیا بکتا ہے مردک! کیا سمجھا ہے تپینے (ٹوے) تجھے نہیں معلوم تو اس وقت کس سے مخاطب ہے؟ زبان کو لگام دے۔ ورنہ ایک وار میں چورنگ کر دوں گا موذی! زنخہ سمجھ گیا کہ طور بے طور ہے۔ مرزاجی کے تیور بدلتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا لیکن تھا جیالا اگر مگر اکر معافی مانگنے کے بجائے ناک پر انگلی دھر، کولہے مٹکا بولا... بس میاں بس دیکھ لئے تمہارے تیور۔ بندی بھی کوئی ایسی ویسی نہیں ہے جمن خاں کے گھر کی ہے۔ دھمکیاں کسے دے رہے ہو۔ دیکھوں تو کون بھڑوا میرے پنڈے کو ہاتھ لگاتا ہے اگر اس کی جان اور اپنی جان ایک نہ کر دوں تو کہنا۔" ان لفظوں پر مرزاجی کا پارہ غضب آسمان پر چڑھ گیا۔ قریب تھا کہ چیل کی طرح جھپٹا مار کر اس شقیِ ازلی کو چورنگ کر دیں کہ زنخہ سلام کر یہ جا وہ جا۔ نیازمند نے مرزاجی کا دامن پکڑ لیا کہ حضرت جو کچھ ہو گیا ہو گیا اب برائے خدا جانے دیجئے۔ مرزاجی مارے غصے کے ہکلانے لگے تھے۔ الفاظ بمشکل ان کی زبان سے ادا ہو رہے تھے۔ بارے خدا خدا کر کے انہیں روکا اور کچھ دیر بعد مرزاجی کے حواس بر جا ہوئے تو فرمانے لگے کہ:

"یہ بھی اسلامی حکومت ہے برخوردار! جہاں زنخے اس طرح برسیانہ عشوہ فروشی اور بے حیائی کے مظاہرے کرتے ہیں اور کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی، مگر اس میں زنخہ کا کیا قصور؟ بندہ نواز، پوری سوسائٹی کا مزاج زنخے پن کی طرف مائل ہے کسی قوم کا سرمایۂ اقبال قسم کلام پاک کی نوجوان ہوا کرتے ہیں لیکن ان پر نظر ڈالئے تو آپ کو زنخہ ازم کے وہ وہ نمونے نظر آئیں گے کہ حیرت کے مارے چپر غٹوں بن جائیں گے آپ۔ ہائے ان نوجوانوں کی ادائیں! امریکی وضع کے ترشے ہوئے بال، سرخ و سفید چہرے سیاہ آنکھوں پر سنہرے فریم کی عینکیں، اعلیٰ درجے کے سوٹ یا سرج کی شیروانیاں، کلائی پر زنانہ وضع کی گھڑی اور رفتار کی سج دھج کا وہ عالم کہ:

جادو ہے یا کرشمہ شعلہ ہے یا شرارا؟
چلتا ہے کس ادا سے ٹک دیکھیو خدارا

ارے بھئی ہم بھی جوان تھے کسی زمانے میں اور ماشاء اللہ جوانی کا طوفان اس خاکسار پر پوری قوت سے امڈا تھا لیکن بندے کو نہ خود ستائی کا شوق تھا نہ خود نمائی کا۔ صبح اٹھے اور لگے ڈنڈ پیلنے کہ بقول نظیر اکبر آبادی ؎

کونڈی سونٹے کو اٹھا اور دیکھ پھر قدرت کے کھیل
کیا پڑا سوتا ہے غافل ھنگ پی اور ڈنڈ پیل

جب تک "دھائی سو کمر توڑ اور زمین گیر" ڈنڈ نہ پیل لیتے جسم میں درد رہتا، اس کے بعد مگدر ہلائے جاتے اور قسم جناب امیہ کی، اس صفائی سے کہ کبھی آدھا چہرہ کاٹا، کبھی پاؤ، کبھی سلامی دی اور کبھی مگدر کو، گیرے کی طرح اچھال ہتھیلی پر روکا اور لٹو کی طرح نچا دیا۔ ورزش کے بعد آدھ سیر بادام کا حریرہ نوشجان کیا اور پھر دنیا کے دھندوں میں لگ گئے۔ یہ تھیں وہ مردانہ ورزشیں جو جوانوں کو شیر کا کلیجہ، چیتے کی کمر، عقاب کی آنکھ اور کوندے کی لپک دیتی تھیں لیکن آج انہیں کیا سکھایا جاتا ہے، زنانہ سج دھج، تن آسانی، عیش پرستی، دربائی، فلم بینی، ایکٹریس پرستی وغیرہ وغیرہ۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا لختِ جگر؟

زنخوں کا ذکر تھا حضرت!

ہاں تو آج پوری سوسائٹی زنخہ بن چکی ہے۔ مردانہ خوبیاں عنقا ہیں اور زنانی عادتیں رائج ہو چکی ہیں اس قوم میں.... از اعلیٰ تا ادنیٰ از لیڈر تا بہ ملا... جسے دیکھو اسی مرض میں مبتلا ہے۔

مرزا جی بڑے مزے سے باتیں کرتے شہ گام چلے جا رہے تھے کہ کسی نے آواز دی اماں جانیوالے سوت!

مرزا جی:۔ (برافروختہ ہوکر) یہ کون چڈا اگلیخرو ہیں۔ اتنے میں آنے والا قریب آ گیا پینتیس چالیس برس کا ایک دبلا پتلا انسان، میلے چکٹ کپڑے، چندھی آنکھیں، گنجا سر، دو انچ کی داڑھی چہرے سے فاقہ کشی اور کوچہ گردی کے آثار نمایاں۔ اس شخص نے مرزا جی کے سامنے آکر سلام کیا اور پوچھا "حضور کچھ میری مدد فرما سکتے ہیں؟

مرزا جی:۔ تم کون ہو کیا چاہتے ہو؟"

اجنبی:۔ بندہ ایک مہاجر ہے۔ فرید آباد کا رہنے والا ہے۔ چند دن ہوتے کھوکھرا پار کی سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہوا ہے، اب نہ رہنے کا کوئی ٹھور ہے نہ ٹھکانہ، واہ ری گردش زمانہ!

مرزا جی:۔ پھر کیا چاہتے ہو؟

اجنبی:۔ مجھے قائدِ اعظم کے مزار کا پتہ بتا دیجئے۔

مرزا جی:۔ کیا کرو گے؟

اجنبی :۔ آج جمعرات کا دن ہے۔ چلّہ باندھنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل نازل کرے۔

مرزاجی :۔ وہ کیوں کر؟

اجنبی :۔ (چڑ کر) "کیونکر" کی بھی ایک ہی رہی۔ قائداعظم پیروں کے پیر، اور قطبوں کے قطب تھے اگر اُن کے مزارِ پاک پر چلّہ نہ باندھا جائے گا، تو کیا آپ کی داڑھی میں "؛

مرزاجی :۔ (مشتعل ہوکر) زبان کو لگام دو... قائداعظم (اللہ تعالیٰ اُن کی قبر میں جنّت کا صدر دروازہ قائم کر دے) کے مزار کو ان گندگیوں سے پاک رکھو۔

اجنبی :۔ کیا آپ وہابی ہیں قبلہ؟

مرزاجی :۔ نہ ہم بریلوی ہیں نہ چکڑالوی، نہ دیوبندی ہیں نہ سمرقندی نہ اہلِ حدیث ہیں نہ اہلِ قرآن، بحمداللہ مسلمان اور صرف مسلمان!

اجنبی :۔ تو پھر آپ زیارتِ قبورِ اولیاء کے قائل نہیں۔

مرزاجی ہم ہر مسلمان کی قبر پر فاتحہ خوانی اور عبرت پذیری کے قائل ہیں۔ تم ایک مہاجر ہو ابھی ابھی کھوکھراپار کا جہنم پار کر کے کراچی آئے ہو تم ان جھنجٹوں میں مت پڑو اور پہلے اپنی آبادکاری کی کوشش کرو۔ اجنبی تو اس نصیحت پر خفا ہوکر چلا گیا۔ قبلہ مرزا صاحب نے نیازمند سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یارانِ طریقت نے قائدِاعظم مرحوم کے مزار کو درگاہ بنا رکھا ہے۔ قسم کلام پاک کی جب تک ان خرافات کا قلع قمع نہ کر دوں گا چین نہ لوں گا اور یوں بھی یہ بات غلط ہے کہ اِس جانب کراچی کی سیر کو نکلیں اور قائداعظم کے مزارِ پاک پر پہلے فاتحہ خوانی نہ کریں۔ چلو پہلے اس فریضے سے فارغ ہو لیں یہ فرما کر مرزا صاحب نے اپنی سمت موڑی اور قائداعظم کے مزار کی طرف دُبکی چل دیئے۔

مزارِ قائدِ اعظم پر نواب اچھّے مرزا صاحب قبلہ کا جہاد

قارئین کرام کو معلوم ہے کہ نواب اچھے مرزا صاحب قبلہ جاہلانہ رسم پرستیوں اور غیر اسلامی حرکات کا انسداد کرنے کے لیے بندر روڈ کے چوراہے سے سیدھے مزارِ قائدِ اعظم کی طرف خوش خرام ہو گئے تھے۔ انہوں نے نیاز مند کو بتلایا کہ سبحان اللہ! ہماری مثال اس حکیم و فلیسوف کی سی ہے جو یہ دریافت کرنے کے لئے کوٹھے کی چھت پر چڑھا تھا کہ زمین سے آسمان تک کتنی بلندی ہے اور چھت کی بلندی کا صحیح اندازہ نہ لگانے کے سبب کوٹھے سے گر کر مر گیا تھا یعنی آپ ملاحظہ فرمائیں کہ پاکستان میں از خان لیاقت علی خان تا بہ مسٹر سہروردی اور از حقیر اچھے مرزا تا بہ مولانا مودودی مدظلہٗ ہر صاحب علم و خبر دن رات پاکستان کی اسلامیت اور بانیٔ پاکستان کی خدماتِ اسلامی کا ڈھنڈورہ پیٹتا رہتا ہے لیکن ہم سب کی ناک کے نیچے بانیٔ پاکستان کے مزار پر جو بدعات ہو رہی ہیں انکی طرف کسی کی ذرا بھی توجہ نہیں۔ اب انشاء اللہ یہ کمترین خلائق یعنی آپ کا اچھے مرزا جب تک ان خرافات کا خاتمہ نہ کرے گا چین سے نہ بیٹھے گا چنانچہ مرزا جی نے اپنا قول سچا کر دکھایا۔ یہ کیوں کر؟... اس کی روداد ذیل میں پڑھیے۔

بندر روڈ کے چوراہے سے پلٹ کر مرزا جی نے اپنی رفتار کا سرپنچم کر لیا اور اس تیز روی کے ساتھ جمشید روڈ پر چلنا شروع کیا کہ راہگیر، ٹریفک کنٹرولر، رکشا قلی اور بس ڈرائیور سب کے سب عش عش کرنے لگے۔ نیاز مند بھی افتاں و خیزاں ان کے ہم رکاب تھا، ابھی ہم نے تھوڑا سا راستہ ہی طے کیا

نگاہ کہ دھوم دھڑکے کے ساتھ ایک جلوس جاتا نظر آیا۔

مرزاجی :۔ (ٹھہر کر اور سانس کی رفتار کو قابو میں لے کر) کیوں بھئی یہ برات کہاں جا رہی ہے؟"

ایک شخص :۔ یہ برات نہیں ہے قبلہ! جلوس ہے۔

مرزاجی :۔ کس کا جلوس ہے عزیز القدر!

راہگیر :۔ قائد اعظم کے مزار مبارک پہ چادر جا رہی ہے۔

مرزاجی :۔ کیسی چادر؟

راہگیر :۔ منت کی چادر۔ سیٹھ جعفر بھائی جونا گڑھ والے نے منت مانی تھی کہ اگر ان کا اسٹاک بازار میں چوگنی قیمت پہ بک گیا تو قائد اعظم کے مزار پہ چادر چڑھائیں گے اور کونڈا کرائیں گے۔

مرزاجی :۔ (تاؤ کھا کر) خوب! گویا یہ قائد اعظم کا روحانی فیض تھا کہ سیٹھ جعفر بھائی نے بلیک مارکیٹ کے ذریعے لاکھوں روپے کمائے اور ہزاروں غریبوں کا خون چوس لیا۔ سبحان اللہ کیا روحانی فیض ہے۔

راہگیر :۔ (تعجب سے) کیا آپ اولیاء کی کرامت کے قائل نہیں ہیں جناب؟

مرزاجی :۔ ہم خود ادلیا ہیں۔ ہم نے بڑے بڑے گریجویٹ جنوں کو رام کیا ہے، تم ہماری کرامتوں سے کیا واقف؟......

جلوس آہستہ آہستہ قائد اعظم کے مزار کی طرف رواں تھا اور مرزاجی نیازمند کو ہمرکاب لئے جلوس والوں سے چونچھیں لڑاتے جلوس کے آگے آگے چل رہے تھے، ایک مقام پر ٹریفک کی کثرت کے سبب جلوس ذرا سا رکا، ایک عورت نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے چادر پہ ہاتھ پھیرا اور حصول برکت کے لئے اپنے ہاتھ کو سر و سینہ اور آنکھوں پر پھیر لیا۔ یہ بدعت عظیم دیکھ کر تو مرزاجی کے تن بدن میں چنگاریاں لگ گئیں کہنے لگے کہ:

او مرغی! بلکہ مرغی کی بچی۔ کیوں شرک و بدعت کا مظاہرہ کر رہی ہے؟ قسم کلام پاک کی اگر عورت پر ہاتھ اٹھانا حرام نہ ہوتا تو ابھی سر قلم کر دیتا! ہائیں بر سر بازار یہ دیدہ دلیری!

عورت :۔ (چونک کر) اوئی یہ کلموا کون ہے؟

مرزاجی :۔ خبردار آئندہ ایسی بدعت کی تو قسم باوا جان کی گھر میں ڈال لوں گا تجھے۔"

عورت :۔ اے ہے! ماں نہ ماں میں تیرا مہمان یہ کون جوان مرا ہے۔ مردوئے! راہ چلتی عورت

کو چھیڑتے ہوئے شرم نہیں آتی تجھے۔ ابھی کہہ دوں گی حاکمِ شہر سے جاکر۔"

مزاجی :۔ (مزے میں آکر) کہئے میری پاپوش سے۔

"وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔" قریب تھا کہ مزاجی اور اس اجنبی عورت کے درمیان باقاعدہ گلخپ ہو جائے کہ چند راہ چلتے شرفا نے آکر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ وہ عورت گالیاں دیتی ہوئی نمائش گاہ کی طرف مڑ گئی اور ادھر مزاجی کراچی کی اوہام پرست عورتوں پر لعنت ملامت کرتے ہوئے معہ نیاز مند کے مزار قائداعظم کی طرف بڑھے۔ اتنے میں جلوس بہت آگے جا چکا تھا۔ مزاجی نے نیاز مند سے کہا کہ برخوردار! دوگام چلو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اوہام پرست مزار قائد اعظم کو جا کر ناپاک کر دیں!

یہ فرما کر مزاجی نے اپنی رفتار کا میٹر بڑھا دیا اور چند لمحے کی دوادوش کے بعد ہم لوگ مزار مبارک کے روبرو تھے، وہاں پہنچے تو کیا دیکھا کہ مزار مبارک کے احاطے کے باہر لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے ہیں اور قوال حلقہ بنائے ہوئے بڑے پُرسوز لہجے میں کوئی گیت گا رہے ہیں، ایک خوبصورت لڑکا پورا لہنگا پہنے، زرکار ٹوپی اوڑھے، کانوں میں دو خوبصورت بُندے اور گلے میں چنبیلی کے پھولوں کا گجرا ڈالے بڑی مستی کے عالم میں چھما چھم ناچ رہا ہے جو گیت اس وقت بڑی عقیدت مندی کے ساتھ گایا جا رہا تھا، اس کے دو بول یہ تھے :

پیا کی قبر پہ میں رتجگا رچاؤں گی!
پیا کی خاک کو پھولوں سے میں سجاؤں گی!

لاحول ولاقوۃ۔ قائد اعظم کا مزار اور یہ گھٹیا شاہی گیت۔ مزاجی کو تابِ سماعت باقی نہ رہی، فوراً نعرہ مارا کہ :

"ابے او زنخو! خدا کے غضب سے ڈرو۔ جس مردِ مومن نے دس کروڑ مسلمانوں کو ایمان و جہاد کی روح سے لبریز کر دیا تھا جس نے کروڑوں غلاموں کو ایمان و اعتقاد و یقین و اعتماد کی دولت سے مالا مال کر کے انہیں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کا وارث بنا دیا تھا۔ اس کی قبر کے ساتھ یہ گستاخی! کس مسخرے نے تمہیں ان حرکات کی اجازت دی ہے قسم کلام پاک کی، ایک ایک کا خون پی جاؤں گا

مزاجی کی اس ڈانٹ پر سب لوگ سٹ پٹا گئے.... قوالوں نے گانا، لونڈے نے ناچنا اور میراثیوں

نے تالی بجانا بند کر دی۔ ایک منٹ کے اندر اِدھر سے اُدھر تک گہرا سکوت چھا گیا۔ مزاجی نے یہ محسوس کر کے کہ اُن کی تنبیہ کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے سوال کیا کہ آخر اس نامعقولیت کا بانی مبانی کون ہے؟ اس سوال پر لوگوں میں سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ چند منٹ کے بعد ایک بزرگ آگے بڑھے اور مزاجی سے کہنے لگے کہ "حضرت آپ کون؟ ہم کا گورے؟ غیبی فرشتہ؟.... خدائی فوجدار، بلائے ناگہانی؟ قضائے آسمانی؟

آخر کچھ تو پتہ چلے کہ جناب ہیں کون اور کیوں ہم لوگوں کو سولی پر چڑھانے کے لئے کمر بستہ ہوئے ہیں

مزاجی :۔ کچھ بھی سمجھو! ایں جانب قائداعظم کے مزار پر ان جاہلانہ اور مشرکانہ رسوم کے روادار نہیں۔

بزرگ :۔ غلط۔ فقط خانِ اعظم لیاقت علی اور خاتونِ ملت اس مزار پاک کے متولیان ہیں اور انکی طرف سے کسی قسم کی روک ٹوک نہیں۔ ابھی یہ بحث ہو رہی تھی کہ مزار پاک کا ایک مجاور جھپٹ کر آیا اور مزاجی کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ:

مجاور :۔ آپ دوسرے کے پھٹے میں پاؤں نہ اڑائیے اور ٹھنڈے ٹھنڈے گھر تشریف لے جائیے۔"

مزاجی :۔ (مسکرا کر) پھر تو اب انشاءاللہ اس قضیہ کو نمٹا کر ہی جائیں گے تم کہو تمہارا کیا مطلب ہے؟

مجاور :۔ اگر مزار کی حاضری کا ارادہ ہے تو چراغی دلوائیے۔

مزاجی :۔ چراغی کیسی؟

مجاور :۔ یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ بڑے بوڑھوں سے ایک روپیہ عورت سے آٹھ آنے اور بچہ سے چار آنے چراغی لی جائے اور نذر نیاز کے لئے ایک روپیہ الگ وصول کیا جائے۔

مزاجی :۔ اگر کوئی نہ دے تو۔

مجاور :۔ نہ دے گا تو اپنا ایمان خراب کرے گا۔ دنیا میں خوار اور عقبیٰ میں گنہگار ہو گا۔

مزاجی :۔ کیا خوب؟ آپ نے تو باقاعدہ ایک گھریلو "خانہ ساز قسم" کی شرع شریف تصنیف فرما رکھی ہے جس کی رُو سے جناب لوگوں کو بے تکلف جنت کا سرٹیفکیٹ اور جہنم کا پروانہ عطا فرما دیتے ہیں۔ ماشاءاللہ چشمِ بد دور۔ شیخ الاسلام تو آپ آج بھی ہیں اگر ترقی کی یہی رفتار رہی تو انشاءاللہ سالِ آئندہ جناب ولایت کے منصبِ عظیم پر بھی فائز ہو جائیں گے۔"

ایک صاحب :۔ قبلہ این خانہ تمام آفتاب است۔

آپ فقط مزارِ قائدِ اعظم کے زائرین کی اصلاح کرنے نکلے ہیں اور یہ خبر نہیں آپ کو شاید کہ یہاں آئے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ کون سا مقبرہ ایسا ہے جسے اس قسم کے جاہلوں نے اپنی اغراض کی تکمیل کا اڈا نہیں بنا رکھا

مزاجی :۔ (بہ آوازِ بلند مجاور سے مخاطب ہوکر) او کیدی خبر۔ کان کھول کر سن لے کہ قائدِ اعظم کا مزار پوری قوم کی عقیدت کا مرکز اور پوری ملت کی امانت ہے۔ اس کی تولیت کا فخر نہ خاتونِ ملت کو حاصل ہے نہ قائدِ ملت کو۔ اگر اس مزار کے فاتحہ خوانوں پر ٹیکس لگایا گیا اور اس قومی امانت کو جاہلانہ بدعتوں کا گہوارہ قرار دیا گیا تو سب سے پہلا شخص "اچھے مزا" ہوگا جو ان خرافات کا قلع قمع کرنے کے لئے تیغ بکف میدان جہاد میں اُترے گا۔

مجاور :۔ (کسی قدر ڈر کر) کیا آپکے پاس ناظمِ کراچی کا کوئی حکم نامہ ہے۔

مزاجی :۔ ہمارے پاس خدا کا حکم نامہ ہے؟

مزاجی کے اس اقدام کا فوری اثر مرتب ہوا اور اس مجمع میں سے جو نصف گھنٹہ قبل بڑے زور شور سے طبلہ کی تھاپ، قوالوں کی تان، اور چھوکرے کی ترت پر ناچ رہا تھا، چند لوگ ایسے نکل آئے جنھوں نے مزاجی کے الفاظ کی تائید کی اور بصد جوش و خروش اعلان کیا کہ اگر آئندہ کسی نوچندی جمعرات کی آڑ میں بابائے ملت کے مزار پر اس قسم کا سوانگ رچایا گیا تو وہ مکاری اور عیاری کے اس جال کا تار و پود بکھیر دیں گے۔ مزاجی اس مجمع میں ایک "ہیرو" کی طرح کھڑے تھے۔ چہرۂ مبارک سے جلال ٹپک رہا تھا اور بگڑے ہوئے تیوروں سے ایسا فاتحانہ پن برس رہا تھا گویا حضور ابھی ابھی کشمیر فتح کر کے پلٹے ہیں۔

جب یہ ہنگامہ فرو ہوگیا اور قوال اور چادر چڑھانے والے سیٹھ جعفر بھائی اور مجاور اور ناچنے والا چھوکرا، یہ سب بھاگ گئے تو مزاجی نے مجمع کے ساتھ احاطۂ مزار میں قدم رکھا اور قائدِ اعظم کے مزار کے پائیں کھڑے ہو کر فاتحہ خوانی کی۔ اور پھولوں کے بجائے آنسوؤں کے موتی قبر پر چڑھائے اس وقت عجب سوز و ساز کا عالم تھا۔ لوگوں کے دل جوش و خروش سے لبریز تھے اور اس شخص کے عظیم کارناموں کی یاد ذہنوں میں چٹکیاں لے رہی تھی جس نے تن تنہا لڑ بھڑ کر پاکستان حاصل کیا تھا اور دنیا کے سامنے اس دعوے کا ثبوت پیش کر دیا تھا کہ :

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

وزارت مآب کی ڈیوڑھی پر

قائدِاعظم کے مزارِ مبارک سے رخصت ہوکر مرزا صاحب نے وزیراعظم کی ڈیوڑھی کا رُخ کیا اور بندے سے سوال فرمایا کہ کیوں عزیز از جان! آج کون سا روزہ ہے؟

نیاز مند :- پندرہواں روزہ ہے قبلہ

مرزا صاحب :- یعنی منجھلا روزہ

نیاز مند :- بے شک

مرزا صاحب :- تو یوں کہیے کہ آج وزیراعظم بہادر کے یہاں دعوت پکی ہوگئی ۔

نیاز مند :- وہ کیسے حضرت؟

مرزا صاحب :- (بگڑ کر) عجیب بونگے واقع ہوئے ہو صاحب آپ کیا وزیراعظم کو اتنا "مکھی چوس" سمجھتے ہیں کہ عین منجھلے روزے کے دن اچھے مرزا اُن کے ہاں جائے اور وہ ہاتھ نہ دھلوائیں برخوردار! ظن المومنین خیرا! مسلمانوں کی طرف ہمیشہ نیک گمان کرنا چاہیے اور پھر وزیراعظم تو "قرار دادِ مقاصد" کے مصنف ہونے کے سبب امیرالمسلمین قرار پا گئے ہیں اُن کی نسبت تو سوءِ ظن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس طرح باتیں کرتے پھول بکھیرتے، لطیفے تصنیف فرماتے، چہل قدمی کرتے مرزا جی دھیمے سروں میں وکٹوریہ روڈ کی طرف گا - رن تھے کہ راستے میں ایک ہوٹل نظر آیا جو پردہ دار واقع ہوا تھا۔ ہوٹل کو پردہ دار پاکر مرزا صاحب کی طبیعت مگن ہوگئی اور بڑی خوش دلی کے ساتھ فرمانے لگے کہ سبحان اللہ کھتی کیا معقول لوگ واقع ہوئے ہیں آہاہاہا۔ دروازے پر پردے چھوڑ رکھے ہیں کہ اگر کوئی بھولے سے ہوٹل کا رُخ کرے تو متنبہ ہوجائے کہ اوہو! ماہِ مبارک رمضان ہے اور لطف ملاحظہ ہو کہ آپ جب ہوٹل کے اندر قدم رکھیں گے تو دیکھیں گے کہ ہوٹل کے مالک سے لے کر چائے لانے والا لونڈا

تک سب کے سب قرآن پاک پڑھ رہے ہیں۔ اس کا نام ہے اسلام! اور اس کا نام ہے مسلمانی! واللہ طبیعت خوش ہوگئی۔

مختصر یہ کہ مالک ہوٹل کی سعادت مندی اور دینداری کا قصیدہ پڑھتے ہوئے آگے آگے مرزاجی اور پیچھے پیچھے یہ خاکسار ہوٹل کے پردے اٹھا کر اندر داخل ہوئے تو

لوگ کہتے تھے کہ خلوت میں وہ تنہا ہوں گے
ہم نے پردہ جو اٹھایا تو قیامت دیکھی

دیکھتے کیا ہیں کہ ہوٹل کی تمام کی تمام میزیں انواع واقسام کے کھانوں سے لبریز ہیں۔ ہوٹل کے ملازم قابیں اور پلیٹیں لیے اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں۔ اور ہوٹل کے مالک ماشاءاللہ چشم بد دور گھٹا ہوا سر، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، پیشانی پر گٹا، چہرہ پر نورِ ایمان، دو فٹ کی داڑھی ململ کا کرتہ، شرعی پاجامہ پہنے گدی پر براجمان ہیں اور زور زور سے ہوٹل کے چھوکروں کو تاکید کر رہے ہیں کہ ابے حرام زادو! دوڑ کر چلو۔ پلیٹ ٹوٹی تو تنخواہ سے کٹوتی ہو جائے گی۔ مرزاجی کے لئے یہ منظر سخت غیر متوقع تھا۔ انہوں نے دیکھا اور دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اچانک مالکِ ہوٹل کی نظر اُن پر پڑ گئی وہیں سے نعرہ مار کر بابوجی! ابھی میز خالی ہوئی جاتی ہے بس ایک منٹ چھری تلے دم لیجئے! مرزا صاحب تو خون کے گھونٹ پی ہی رہے تھے اس تواضع پر ادھڑ گئے۔ بھنا کر کہنے لگے کہ تم مسلمان ہو یا یہودی...! ہائیں! تمہیں شرم نہیں آتی کہ متبرک روزے میں یہ بدعت؟ یعنی عین دوپہر کے وقت کھلانے پلانے کا یہ ہنگامہ؟ کیا بچپن میں مسلمانی ناتی کے حوالے کرکے سوچے کافر بن چکے ہو؟

مالک ہوٹل: ۔ (تعجب سے) خوب! جان نہ پہچان، خالہ بڈھی سلام یعنی آپ کون کہ میں خواہ مخواہ؟

مرزا صاحب: ۔ (بپھر کر) معلوم ہوتا ہے کہ تینے (تونے) ابھی ہمیں نہیں پہچانا (نعرہ مار کر) اچھا تو.... ہر کہ داند بداند وہر کہ نداند بداند کہ:

منم اچھے مرزا منم شیرِ نر!
کہ دہشت سے لرزاں مری دشت و در
نہ کیوں میری ہیبت ہو سب پر سوار

خدا کی طرف سے ہوں میں فوجدار
کوئی دعویٰ دشمن کو پھبتا نہیں
کسی سے کراچی میں دبتا نہیں

"رجز" پڑھ کر مرزاجی نے پینترا بدلا اور حملے کی غرض سے میان پہ ہاتھ ڈالا تو لاحول ولاقوۃ میان خالی تلوار غائب، اب عجیب عالم کہ حملے کے لئے پینترا بدلا جا چکا ہے۔ دشمن یعنی ہوٹل بوائے سامنے زد پر ہے اور ہتھیار لاپتہ! ہوٹل والوں نے جو یہ عجیب و غریب منظر دیکھا تو مارے قہقہوں کے ہوٹل کی چھت اڑا دی۔ مرزاجی کا یہ حال کہ "کاٹو تو لہو نہیں بدن میں"... ایک منٹ تک تو اسی انداز میں اٹینشن (ATTENTION) کھڑے رہے، آخر جب کوئی چارۂ کار سمجھ میں نہ آیا تو الٹی گھائی کاٹ فوراً ہوٹل سے باہر... مگر پسینہ پسینہ... نیازمند سائے کی طرح ساتھ تھا اور غرقِ حیرت کہ الٰہی! یہ کیا ہو گیا؟ اس وقت مرزاجی سے پوچھنا بے سود تھا اور خود مرزاجی بھی موڈ میں نہ تھے آخر چند قدم بڑھ کر ایک سایہ دار درخت کے نیچے ہم دونوں نے بسیرا کیا۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد موصوف ہوش میں آئے اور نیازمند سے فرمایا ہم آپ سے بار بار کہتے تھے اور آپ سن کر اڑا دیتے تھے۔"

نیازمند :- کیا؟

مرزاصاحب :- یہ کہ آپ کی حکومت نے اچھے مرزا کو زچ کرنے کے لئے "بنگال" سے کوئی جادوگر بلوایا ہے۔

نیازمند :- ثبوت؟

مرزاصاحب :- (تنگ آکر) یار! تم سے بھی ناک میں دم ہے، جان عاجز ہے یعنی سارے واقعات آپ کی چشم جہاں بیں کے سامنے گذر رہے ہیں اور آپ پوچھ رہے ہیں ثبوت؟ اچھا گنتے چلئے گھر سے نکلے تو کیا ہوا؟

نیازمند نے عرض کی کہ اونٹ سے ٹکر۔

مرزاصاحب :- جزاک اللہ! کہیئے کہ اونٹ نہ تھا جادو کا شعبدہ تھا کہ ٹکراتے ہی غائب ہو گیا۔

نیازمند :- اچھا یوں ہی سہی۔

مرزا صاحب :- ایک ہوئی نا تم پر؟

نیاز مند :- جی ہاں ہوئی اور زیچ کھیت ہوئی۔

مرزا صاحب :- دوسرا واقعہ۔ یعنی آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب یہ بدنصیب گھر سے چلا ہے تو میان خالی نہ تھی اس کے اندر تلوار موجود تھی اب جو ہاتھ ڈالتا ہوں تو تلوار غائب! یا مظہر العجائب۔ کیا آپ اسے جادو نہ کہیں گے"؟

نیاز مند :- مگر میرا خیال ہے کہ یہ نیام کئی مہینے سے خالی ہے۔

مرزا صاحب :- کوئی بعید نہیں۔ اگر کل آپ یہ خیال ظاہر فرمائیں کہ پاکستانی فوج کے پاس سرے سے ہتھیار ہی نہیں بلکہ بانس کے ڈنڈے ہیں جن کو ہاتھ میں تھما کر پریڈ کرائی جاتی ہے۔ خیر چلیے لعنت بر کار شیطان۔ جانا تھا وزیر اعظم کی ڈیوڑھی پر! پھنس گئے اس جنجال میں! یہ فرما کر مرزا صاحب نے از سر نو سفر شروع کیا۔ لیکن ہوٹل کے واقعے سے کسی قدر کھسیانے ہو گئے تھے لہٰذا شارع عام کو چھوڑ گلیوں میں ہوتے ہوتے وکٹوریہ روڈ پر آ گئے جب ایڈمنسٹریٹر صاحب کے دفتر کے سامنے سے گزر رہے تھے تو اچانک پکار اٹھے اماں سید صاحب[1] ہوتے!

نیاز مند نے عرض کی کہ سید صاحب قبلہ تو یورپ گئے ہوتے ہیں وہ یہاں کہاں؟

مرزا صاحب :- کیوں؟

نیاز مند :- بحالیٔ صحت کے لئے۔

مرزا صاحب :- کیا خوب؟ بڑے لوگوں کی صحت صرف یورپ ہی میں بحال ہوتی ہے۔ اُن کے اپنے وطن میں کیا سب دق کے مریض بستے ہیں۔ خیر صاحب! ان ہی فقرہ بازیوں میں وزیر اعظم بہادر کی کوٹھی آ گئی اور مرزا جی نے سر اٹھا کر دیکھا تو نظر آیا کہ "ایوان وزارت" کی دیواریں کئی فٹ اونچی ہو گئی ہیں۔ مرزا صاحب حیرت سے اس اضافے کو دیکھنے لگے۔

مرزا صاحب :- (تعجب کے لہجے میں) سبحان تیری قدرت!

نیاز مند :- کیا ہوا حضرت؟

مرزا صاحب :- دن دونی ہمارے وزیر اعظم بہادر کا مرتبہ بلند ہو رہا ہے، دیواروں کا رتبہ بھی

---

[1] سید ہاشم رضا صاحب ناظم کراچی کی طرف اشارہ ہے۔

بلند تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اللہ حضور پر نور کے مدارج کو اسی طرح بلند تر کرتا رہا تو انشاء اللہ ایک دن وہ آئے گا کہ سرکار کے دیوان خانے کی دیواریں آسمان کو چھونے لگیں گی۔ پولیس کے نوجوان بڑے غور سے مرزاجی کے حلیۂ مبارک کو دیکھ رہے تھے۔ آخر ان میں سے ایک آگے بڑھا اور مرزا صاحب سے کہنے لگا۔

بھائی صاحب، آپ کو کس کی تلاش ہے؟

مرزا صاحب :۔ (عینک کے تالوں میں سے سپاہی کو گھور کر) بھائی چہ خوش چرا نہ بنا شد؟.... دولہا بھائی کہو۔"

سپاہی اس پھبتی پر بھنا گیا۔ مگر جواب کیا دیتا وہ بے چارہ، ان پڑھ۔ الف کے نام لٹھا نہ جانے اور مقابلہ اس شخص سے جو طوطی ہزار داستان وہ اپنے ذہن میں ایک موٹی سی گالی تصنیف فرما ہی رہا تھا کہ پولیس گارڈ کا جمعدار بیچ میں آگیا اور مرزاجی سے دریافت کرنے لگا کہ آپ کس سے ملیں گے؟

مرزاجی :۔ (مزے میں آکر) اجی انہیں سے۔

جمعدار :۔ آخر کچھ نام بھی ہے ان کا۔

مرزاجی :۔ وزیر اعظم کا نام نہیں جانتے تم؟"

جمعدار :۔ وزیر اعظم سے آپ کا مطلب؟

مرزاجی :۔ مطلب کیا ہوتا؟ کوئی مل نہیں الاٹ کرانی، کہیں سفیر بن کر نہیں جانا، آج منجھلا روزہ تھا۔ ہم نے سوچا چلو نواب زادے صاحب کے ساتھ افطار لیں۔

جمعدار :۔ کیا آپ نے ان کے سکریٹری سے وقت لے لیا ہے؟

مرزاجی :۔ وقت کیسا میاں جمعدار؟

جمعدار :۔ ملاقات کا حضور۔ اور کس بات کا؟

مرزاجی :۔ تو کیا وزیر اعظم بغیر وقت لئے ملاقات نہیں کرتے؟

جمعدار :۔ صاحب وہ عام لوگوں سے ملتے ہی نہیں۔

مرزاجی :۔ (حیرت سے) کھاؤ قسم قرآن کی۔ بھئی حد ہوگئی! تو اکیلے گھر میں پڑے کیا کرتے رہتے ہیں حضرت؟ شطرنج کھیلتے ہیں، گنجفے سے شوق ہے؟ چوسر کی بازی جمتی ہے؟ آخر وقت گزاری کا

مشغلہ ہے کیا؟ (چند لمحے تامّل کے بعد) خیر تو میاں جمعدار اُن کے مصاحبین کون کون ہیں؟

جمعدار:- مصاحبین کیسے؟ کچھ ٹائپسٹ اُن کے دفتر میں ہیں اور کچھ کلرک۔

مرزاجی:- (نیاز مند سے مخاطب ہوکر) ملاحظہ فرمایئے اپنے وزیراعظم کی بوالعجبیاں! نہ مصاحب، نہ پیش دست، نہ گنجفہ نہ چوسر نہ مرغ بازی نہ بٹیر بازی، لاحول ولاقوۃ..... وزارت کیا ہوئی ہمیں مسجد کی امامت ہوگئی۔

جمعدار:- مگر آپ کو وزیراعظم سے کام کیا ہے؟"

مرزاجی:- (تاؤ کھاکر) اماں عجیب "چغد" ہو۔ وزیروں اور بادشاہوں کی خدمت میں کہیں کام کو حاضر ہوا کرتے ہیں۔ "سلام" کو حاضر ہوا کرتے ہیں۔

جمعدار مرزا صاحب کی باتوں سے نہ جانے کیا سمجھا اور ہنستا ہوا واپس چلا گیا۔ مرزاجی بھی تھک گئے تھے کہنے لگے برخوردار چلو ہٹاؤ بھی! منجھلا روزہ ہے۔ چھوٹی بیگم انتظار کررہی ہونگی چلو گھر چلیں۔ چنانچہ نیاز مند اور مرزائے سیاحت پسند سر دو سڑکیں ناپ کرتھکے ہارے گھر واپس آگئے۔

نواب اچھے مرزا صاحب بالقابہ کا اعلانِ جنگ

طلوع آفتاب میں ابھی کچھ دیر تھی اور نواب اچھے مرزا صاحب قبلہ بالقابہ اپنی مسہری پر محوِ خواب تھے۔ عالم یہ تھا کہ ٹانگیں سینے میں گھسی ہوئی تھیں۔ سر ٹانگوں میں چھپا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ بڑی گہری نیند تھی کہ اچانک اخبار فروش لڑکے کے اس نعرے پر مرزا صاحب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے کہ "وزیر اعظم نے جنگ کا اعلان کر دیا۔" مرزا جی کی عادتِ قدیمہ یہ ہے کہ نیند سے بیداری تک کی مسافت کم سے کم ایک گھنٹے میں طے فرمایا کرتے ہیں پہلے آنکھ اچٹتی ہے اور پندرہ منٹ تک نیند کے اُچاٹ کا عالم طاری رہتا ہے اس کے بعد دماغ میں اُجالا پھیلنا شروع ہوتا ہے اور حواسِ خمسہ بیدار ہونے لگتے ہیں۔ مرزا صاحب چپکے چپکے مسٹ ملتے پڑے رہتے ہیں تا اینکہ ہاتھ پاؤں میں سچ مچ کی کلبلاہٹ رونما ہوتی ہے اور مرزا جی بستر سے کلمہ پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھتے ہیں یہ روزانہ کا معمول ہے..... آنکھ کھلتے ہی بستر سے اٹھ جانا بڑی بے شرمی کی حرکت سمجھتے ہیں اور اس اقدام کو "لوزانہ اقدام" سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مگر آج خلافِ معمول ادھر تو اخبار فروش لڑکے نے یہ نعرہ لگایا کہ.... وزیر اعظم نے جنگ کا اعلان کر دیا..... اور ادھر مرزا جی نیند سے چونک بستر پر کھونٹی کی طرح بیٹھ گئے۔

مرزا جی :- (بھاری آواز میں نیاز مند سے مخاطب ہو کر) اماں برخوردار صحبتِ شب بخیر و صبح مبارک۔ بڑا بھیانک خواب دیکھا آج رات۔

نیاز مند :- کیا قبلہ؟

مرزا جی :- دیکھا کیا ہوں عزیزمن کہ یہ عاجز ایک لق و دق میدان میں تنہا ہے نہ آدم ہے نہ

آدم زادکہ اچانک ایک عفریت سیاہ گرزِ آتشیں ہاتھوں میں لئے منہ پھاڑے سینہ تلنے ایک گوشے سے نمودار ہوا اور نعرۂ جنگ مار کر میدان مانگا۔ دشمن مقابل ہو کر میدان مانگے اور اچھے مرزا خاموش رہے ناممکن ہے قسم کلام پاک کی۔ اس حریفِ قوی دست کا نعرہ سن کر بندے کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بس کمر سے شمشیر برق دم کھینچ کر جست کی اور یا علیؑ کہہ کر پالٹ کا ہاتھ مار کر اس شقی کو چورنگ کر دے مگر اللہ رے اس کی جسامت کہ بندہ باوجودیکہ بانسوں اچھلا تھا اور وار بھی تلا ہوا تھا۔ مگر اماں یقین کرنا قسم بربِ کعبہ اس اچھل کود کے باوجود بندے کی تلوار اس دیوِ سیاہ کے گھٹنوں تک پہنچی مگر ماشا اللہ تھی ضربِ حیدری۔ بلبلا اٹھا شقی اور شکست خوردہ ہاتھی کی طرح چنگھاڑ کر اس احقر الکونین کے سامنے سے **بھاگ کیا** اور..

نیازمند : اور حضور کی آنکھ کھل گئی۔

مرزا صاحب: جزاک اللہ چشم بد دور۔ گفتگو میں برمحل لقمہ دینے لگے ہو۔

نیازمند : اس کی تعبیر بھی عرض کر دوں حضرت!

مرزا صاحب: فرمائیے فرمائیے ماشا اللہ ماشا اللہ!

نیازمند : قبلہ! تعبیر اس کی یہ ہے کہ ہندوستان نے اپنی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر جمع کر دی ہیں اور اگر خدانخواستہ دشمن نے میدان مانگا تو آپکے غلام ہیچ کھیت میداں داری کے وہ وہ کرشمے اور جانثاری کے وہ وہ معجزے دکھلائیں گے کہ دشمن فیلِ شکست خوردہ کی طرح سونڈ اٹھا کر اور کان دبا کر رن سے بھاگ نکلے گا۔"

مرزا صاحب :(حیرت سے اچھل کر) ہائیں! برخوردار کیا کہہ رہے ہو؟

نیازمند :- قبلہ خانہ زاد خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ عرض کر رہا ہے اگر اس خبر میں ایک حرف کا بھی مبالغہ ہو تو خدائے پاک بندے سے عقدِ ثانی کی توفیق سلب فرمالے۔

مرزا صاحب : راوی کون ہے اس خبر شجاعت اثر کا؟

نیازمند : کوئی اور نہیں خود حضورِ پُرنور سکندر صولت

دارا حشمت قدر قدرت اعلیحضرت وزارت مآب

صدارت انتساب ذی جاہ و ذی شان یعنی وزیر الممالک

وزیر الدولہ تہور جنگ عظمت نشان خان لیاقت علی خاں ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔

مرزا صاحب: قسم کھاؤ!

نیاز مند: آپکے سرِ عزیز کی قسم اور یہ نیاز مند کھائے! توبہ! توبہ! اسقدر گستاخی؟

مرزا صاحب: واللہ مانتا ہوں کیا سعادت مندی ہے مگر بھیا غنیم اس قدر قریب آچکا ہے اور لیاقت علی خان صاحب نے اپنی جانب کو نیک نیتی کی خبر دی ہوئی اس فقیر کے کلبہ احزان پر کیا آنتے؟ مگر نواب سید علی خان جی کے ذریعے کہنو بھیج کر ان مرزا صاحب! صورت حال یہ ہے اب فرمایئے بندے کے لئے کیا حکم ہے؟ اس صورت میں یہ بات ثابت ہوتی انکی سعادت مندی کی اور سب بن جاتی اپنی جانب کی شفقت تو ہم ان کی خود داری اور سعادت آثاری کے صلے میں انہیں چپ چپاتے ایسے نکتے بتلاتے کہ دشمن کو مقابلے کی تاب نہ ہوتی۔ اماں! وہی تسخیر اعدا کا عمل جو دادا جان یعنی مرزا ز کی مرحوم پڑھا کرتے تھے صاحب سبحان اللہ! کیا تیر بہ ہدف دعا ہے؟ دادا جان مرحوم ناقل ہیں کہ جس زمانے میں چھمن جان انکی ملازم تھی نواب بہادر سعید الدولہ مرحوم سے دادا جان کی چل گئی اور بات معمولی تھی۔ ایک روز اللہ بخشے دادا جان مرحوم چھمن جان کے ڈیرے پر تشریف فرما تھے کہ نواب بہادر سعید الدولہ اپنے ہاتھی پر سوار ادھر سے گزرے۔ حاضرینِ مجلس نے نیم قد تعظیم دی۔ نواب بہادر سعید الدولہ ہاتھی سے اُترے تو۔ مگر تیوری پر بل اور چہرے پر ناگواری کے آثار۔ تاہم نواب بہادر نے اپنے تکدر طبع کو ضبط کرکے چھمن جان سے کہا کہ فلاں روز ہمارے دیوان خانے میں مجلس خاص ہے۔ تم ضرور حاضر ہونا۔ چھمن جان نے سیدھے سبھاؤ دادا جان مرحوم کی طرف آنکھ سے اشارہ کرکے جواب دیا کہ حضور! لونڈی مرزا صاحب کی ملازم ہے اور ان کی مرضی مبارک کے بغیر کہیں حاضر نہیں ہوسکتی۔ بس یہ فقرہ نواب بہادر سعید الدولہ کے کلیجے میں تیر کی طرح ترازو ہوگیا اور تو کچھ نہ کہا مگر یہ کہ چھمن جان اب ہم اسی وقت تمہیں بلائیں گے جب تم ہماری پابند ہوگی۔

نواب بہادر سعید الدولہ بڑے ٹکر۔ پہاڑ سے ٹکر تھی۔ مگر دادا جان مرحوم بھی ہاتھی کا کلیجہ اور شیر کا دل لے کر آئے تھے ڈٹ گئے نواب کے سامنے۔ اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو بیسوں

فوجداریاں ہوئیں فریقین کے درمیان مگر نہ داداجان مرحوم نے قدم پیچھے ہٹائے اور نہ نواب بہادر نے کمی کی۔ والد ماجد قبلہ مرزا بھویا مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں تمہارے دادا (مرزا ٹلی مرحوم) دعائے تسخیر اعداء پڑھا کرتے تھے اس دعا کے موکل کے تابع ہزاروں جن ہیں یہ دعا آپ کے اچھے مرزا کو حرف بہ حرف یاد ہے بلکہ کئی مرتبہ تجربہ بھی کر چکا ہوں اگر وزیر اعظم ہم سے مشورے کی زحمت گوارا فرماتے تو ہم یہ دعا انہیں تعلیم کر دیتے۔

نیاز مند: قبلہ عرض یہ ہے کہ اگر فقط دعاؤں سے کام چل جایا کرتا تو لوگوں کو ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

مرزا صاحب: کیا مطلب ہے آپ کا؟

نیاز مند: جی معروضہ یہ ہے کہ ایٹم بم اور راکٹ وی (۷) کے اس عہد میں بھلا صرف دعائے تسخیر اعداء پڑھنے سے کب کام چل سکتا ہے۔

مرزا صاحب: (چڑھ کر) تو گویا جو کتابوں میں دعاؤں کی تاثیریں اور عملیات کے کرشمے لکھے ہیں، یہ سب ڈھکو سلے ہیں۔

نیاز مند: ڈھکو سلے کیوں ہوتے؟ مگر جب ہم توپ کا مقابلہ توپ اور ٹینکوں کا مقابلہ ٹینکوں سے نہ کریں گے۔ کامیابی کی امید محال ہے۔

مرزا صاحب: (سنجیدہ ہو کر) تو اس بدنصیب نے یہ کب کہا کہ پاکستانی فوج کی توپوں اور ٹینکوں کا نیلام کر دو۔ آپ کا اچھے مرزا ان احمقوں میں نہیں ہے جو فقط خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں بھیا ہم ماشاءاللہ سپاہی بچے ہیں اور بچپن سے آنکھ کھول کر فوجداریاں اور خانہ جنگیاں ہی دیکھی ہیں۔ والد صاحب قبلہ اب تک یہ عالم ہے کہ رات کو سرہانے تلوار رکھ کر سوتے ہیں۔ نہ جانے کب دشمن میدان مانگ لے اور یہ معمول تو اس عاجز کا بھی ہے کہ تلوار بستر کے قریب دھری رہتی ہے۔ بھئی سپاہی کی زندگی ہی کیا؟ "تلوار" ہائے میر انیس مرحوم نے کیا شعر فرمایا ہے؟

اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

نیاز مند: حضور والا خادم کی گذارش تو یہ ہے کہ یہ زمانہ تلوار کا بھی نہیں۔

مرزا صاحب : (تاؤ کھاکر) بس بس زیادہ لفّاظیت نہ بگھاریئے۔ آپ تلوار کی توہین کر کے گویا ہم سپاہی بچوں کی تذلیل کر رہے ہیں۔

نیاز مند :۔ خیر تو حضور آپ نے ہندوستانی فوج کے بارے میں کیا طے کیا؟

مرزا صاحب :۔ (چونک کر) لیجئے اصل مسئلہ آپ کی زق زق بق بق میں رہ گیا اور جو کہنے کی بات تھی وہ "عنت ربود" ہوگئی ہاں آپ تفصیل سے بیان کیجئے کہ وزیر اعظم نے کیا اعلان فرمایا ہے۔

نیاز مند : اعلان یہ ہے وزیر الممالک خان اعظم خان لیاقت علی خاں کا کہ ہندوستان کی نوّے فیصدی فوج پاکستانی سرحدوں پر جمع کر دی گئی ہے اور اس فوج.....

مرزا صاحب : بس بس خدا کے لئے رحم! اچھّے مرزا چند نہیں ہے کہ ہر بات سمجھنے کیلئے آپ کے بیان کا محتاج ہو اب پورا نقشۂ جنگ اس عاجز کے ذہن میں آگیا تو گویا صورتحال یہ ہے کہ ہندوستان کی نوّے فیصدی فوج ہماری سرحدوں پر صف آرا ہے۔ پہلے یہ غور فرمایئے کہ ہندوستانی فوج ہے کیا؟ صدیوں کا تجربہ شاہد ہے کہ بھارتی فوج گوجروں، راجپوتوں، مرہٹوں اور تلنگوں پر مشتمل ہوتی ہے اور ان کا طریقہ جنگ یہ ہے کہ فوج کے آگے ہاتھیوں کی صف ہوتی ہے۔ پہلے ہاتھی "ہولا" کر کے آگے بڑھتے اور فوج مقابل کو الٹنے پلٹنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے بعد گھڑ سوار اور برچھا بردار نکلنگے۔ چھپیت مرہٹے، جیالے راجپوت اور اڑیل گوجر میدان میں آتے ہیں تو اب تحقیق کرنا یہ رہ گیا ہے کہ پنڈت نہرو نے اپنی فوج کے ساتھ دنتال اور لکھنے ہاتھی کتنے بھیجے ہیں۔

نیاز مند : قبلہ! لیاقت علی خاں صاحب کے بیان میں تو کہیں "جنگی ہاتھیوں اور گھوڑوں" کا ذکر ہے نہیں۔

مرزا صاحب : (جل کر) آپ خاکسار کے سامنے لیاقت علی خاں صاحب کی معلومات کا ذکر نہ فرمایا کیجئے اُن کا سپہ گری سے کیا تعلق؟

میاں صاحب! عزیز میرے! برخوردار میرے!! یہ باتیں ہم سے پوچھو بندۂ درگاہ کو غازی محمد ابن قاسمؒ کے وقت سے لے کر اب تک کے سارے معرکے منہ زبانی یاد ہیں۔

پانی پت میں تین معرکے ہو چکے ہیں۔ اب آپ بیٹھے بیٹھے اس عاجز سے ان تمام معرکوں کی تفصیل سن لیجئے۔ پنڈت نہرو کی فوجیں اگر پاکستان کے خلاف صف آرا ہوئی ہیں تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہوتا تو پتہ چلتا آپ کو گزشتہ ایک ہزار سال میں اس قسم کے معرکے نہ ہوئے ہونگے تو سینکڑوں ہوئے ہوں گے اور ان تمام جھڑپوں اور لڑائیوں میں بفضلہ تعالےٰ مسلمان سرخ رُو اور کامیاب رہے تا اینکہ وہ بارہ سو برس تک اس وسیع ملک میں شاہجہانیاں اور جہانگیریاں کرتے رہے مگر یقین کیجئے کہ ہمارے بزرگ ہماری طرح نرے سیاست داں نہ تھے سپہ گر تھے اور جب آن پر بن جاتی تھی تو جان پر کھیل جاتے تھے ہزار حیف کہ ان کم بخت فرنگیوں نے اپنی دو سو برس کی حکومت میں ہم سب کو "ہیجڑ اور بزدل" بنا دیا آج پورے پاکستان میں مجھے تو کوئی ایسا نظر نہیں آتا کہ چھٹا پیسہ رومال کے کونے میں باندھ اور علی مشکل کُشا کا نعرہ مار میدان میں کود پڑے کہ آؤ میاں! ایک ایک پکڑ ہو جائے۔ ہمارے وزیر اعظم بہادر نے تو یہ اعلان کر دیا کہ نہرو کی فوجیں پاکستان کے خلاف جمع ہو گئی ہیں۔ مگر یہ اعلان کون کرے کہ:

چڑھ چلو پدم کے مندر پر
وہ جنگ کریں تو جنگ کرو!
اور گھیر لو ان کو لڑتے ہیں
میدان کو ان پر تنگ کرو!

نیازمند: قبلہ از برائے خدا آہستہ! ہماری گورنمنٹ کی پالیسی صلح پسندانہ ہے اور "نہرو لیاقت پیکٹ" کے بعد ہمسایہ ملک کے خلاف جنگ کی تبلیغ زبا اشارۃً، کنایۃً، قولاً، فعلاً کوئی ایسی بات کہنا یا کرنا جس سے فساد کی بُو آتی ہو ایک جرم ہے قابل دست اندازی پولیس۔ لہٰذا جذبات پر قابو رکھئے کہیں خدانخواستہ "سیفٹی ایکٹ" قسم کی کوئی وبا نہ پھیل جائے حضور کے دولت خانے میں؟

مرزا صاحب: (جوش میں آکر) ہم کسی سے لڑنا نہیں چاہتے۔ پنڈت نہرو کے خلاف ہمارے دل میں کوئی کینہ نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ ہم انہیں اپنے بھتیجے کی برابر سمجھتے ہیں کیونکہ اُن کے

پتاجی یعنی سکھنڈ باشی موتی لال ہمارے یار تھے مگر چھجے مرزا کلمۂ حق کہنے سے کبھی نہیں ڈرتا چاہے وہ ہمارے وزیرِ اعظم کو ناگوار لگے۔ چاہے پنڈت نہرو کو بقول شخصے "فیل (FEEL) ہو....

نیاز مند: تو پھر حضور کی رائے کیا ہے؟

مرزا صاحب: ایں جانب کا خیال یہ ہے کہ دشمن کو سبقت کا موقع دیا جانا چاہیے اور پھر ڈٹ کر جواب دیا جائے اس بدتمیزی کا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دشمن میدان میں رو در رو آنے کی جرأت نہ کرے اور کبھی آئے تو گھونگھٹ کھا کر نکل جائے۔ اس صورت میں وہ جادوگروں کے ذریعے پاکستان پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ دشمن کے پاس جادوگروں کی کمی نہیں۔ دکن اور بنگال میں بھرے ہوئے ہیں۔ کالی دیوی کے ہزاروں پجاری! دریں حالات جادو کا مقابلہ عملیات سے کرنا پڑے گا۔ حکومتِ پاکستان کا فرض ہے کہ وہ چلّہ کشوں، عاملوں، فقیروں اور سیانوں کی ایک ڈویژن بھرتی کرلے جس کا نام رکھا جائے "لشکرِ اربابِ دعا" کام یہ ہو ان لوگوں کا کہ برسرِ میدان دشمن کے مقابل ردِ سحر کریں اور بس...... یہ تو ہوئیں عام ترکیبیں لیکن برخوردار! آخر چھجے مرزا کو خود بھی میدانِ عمل میں جانا ہی پڑے گا اور اس کے لئے سر و سامان کی ضرورت ہوگی ہی۔ آؤ ذرا یہ تو دیکھیں کہ بندے کے پاس مکمل سلاح و سامانِ جنگ موجود ہے یا نہیں؟

ساحروں سے جنگ

آپ حضرات نے نواب چھٹے مرزا صاحب کا اعلانِ جنگ پڑھا ہوگا۔ اعلانِ جنگ شائع کرنے کے اَبدرد یہ نفسِ نفیس اسلحہ بندی کی طرف متوجہ ہوئے کہ اچانک گزشتہ ہفتے کی یادگار رخ آندھی آگئی۔ ہوا یہ کہ مرزا جی پنک کے عالم میں نیاز مند سے میدانِ جنگ کا نقشہ بنوا رہے تھے۔ اور مسئلہ یہ تھا کہ اگر بھارت سرکار نے جادوگروں کے ذریعہ پاکستان پر حملہ کیا تو اس کا رُخ کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں مرزا صاحب قبلہ کی تاریخی تحقیقات بخدا سننے کے قابل ہیں فرمانے لگے کہ تواریخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ دنیا میں جادوگروں کی فوج سب سے پہلے "فرعونِ مصر" نے تیار کی تھی اور اس فوج کا سالارِ اعظم سامری تھا جس نے فنِ سحر کو بے حد ترقی دی اور اس فن کو ٹوٹکوں، شعبدوں اور جھاڑ پھونک کی حد سے نکال کر ایک باقاعدہ علم بنا دیا۔ عزیز القدر، میں تم سے سامری کے کمالاتِ سحر کیا بیان کروں؟ یہ تو خیر سبھی کو علم ہے کہ اس نے بزورِ سحر ایک بچھڑا بنایا تھا جو خود بولتا تھا۔ مگر یہ گئو سالۂ سحر اس کے "کمالِ فن" کا صرف ایک پہلو تھا۔ اس ظالم نے تیرنجات طلسمات اور الواحِ سحر تیار کرکے اس فن کی کایا پلٹ دی تیر آمدم برسرِ مطلب۔ عرض کرنا یہ ہے کہ سامری کے بعد افراسیاب جادو نے دنیائے سحر و سامری میں اپنی عظمت کا سکہ رائج کیا۔ جس سے فاتحِ دوراں حضرت صاحبقراں امیر حمزہؓ اور اُن کے رفقاء کی جنگیں ہوئیں بندے کو بہ تحقیق معلوم ہے کہ بھارت میں فنِ سحر ممالکِ بعید مثلاً کوچک باختر بالا باختر اور ملک خداوند لقا سے آیا ہے اور یہ تمام ممالک شہنشاہ افراسیاب کے زیرِ نگیں تھے جیسا کہ مشہور مؤرخ حضرت علامہ فردوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تاریخ شاہ نامہ میں لکھا ہے تو گویا اس علم میں بھارتی ساحروں کا سرمایہ ہے جادوئے افراسیابی! اور جادوئے افراسیابی کا توڑ ہے

فقط اس بندۂ ناچیز کمترین خلائق اچھے مرزا کے پاس ہے۔ سنتا ہوں کہ ہماری فوج ظفر موج کے سپہ سالار ہیں نمبر جنرل محمد ایوب خاں ... آدمی قابل سہی، فرنگی وضع کے فن سپہ گری میں ...... لیکن اس غریب کو کیا معلوم کہ اگر جادوگر حملہ کریں تو کس طرح دفاع کرنا چاہیئے۔ عرض کروں کہ اُس... ... ر ... ت (اچانک شور اٹھا) آندھی آگئی، آندھی آگئی، آندھی کے پہلے ہی جھٹکے میں مرزا جی کا سمور کی ٹوپی، عینک، میدان جنگ کا نقشہ اور افیون کی ڈبیہ، یہ چاروں چیزیں اڑان پر ہو گئیں اور قریب تھا کہ مرزا جی بھی برگ خزاں رسیدہ کی طرح ہوا میں اڑ جائیں کہ بندے نے دونوں ہاتھ سے حقیقت کا دامن پکڑ لیا اور اُدھر سے چھوٹی بیگم دوڑیں کہ از برائے خدا آڑ میں آجایئے۔ آندھی بڑی سخت ہے، اس وقت مرزا جی کی عجیب حالت تھی۔ آنکھیں اُبلی ہوئیں جیسے پر مرغی۔ بند بند میں لرزہ، اچانک وہ چیخے کہ ہٹ جاؤ۔ جادوگروں کا حملہ شروع ہو گیا۔ چھوٹی بیگم تمہیں قسم کلام پاک کی۔ میری تلوار لاؤ، واللہ مردود ہے جو آج ان لاکھوں حرامزادوں سے تنہا مقابلہ نہ کرے۔ یا علی مدد یا علی مدد۔

علی امام من است ومنم غلام علی

ہزار جان گرامی فدائے نام علی

(بہ آواز بلند) اللھم انصرنا علی القوم الکافرین۔ الٰہی ہمیں کافروں کی قوم پر فتح دے (چھوٹی بیگم کی طرف چلا کر) ارے بھئی میر اجمد صرکہاں ہے؟ جلدی ادھر شیر بچہ فوراً لاؤ اور خود وزرہ بھی۔

اُف حملے کا زور میسرے کی طرف سے ہے (آندھی کی طرف مکا تان کر) او دشمن خدا! اپنا نام بتا او سامنے آ (تجسم کر) اگر ہمیں نہیں جانتا تو جان لے کہ ہم ہیں شیر بیشۂ شجاعت پلنگ صحرائے جرأت، مرعوب ساحراں، فاتح کافراں، درندۂ میدان قتال و برندۂ عرصۂ جدال۔ غلام علی مرتضیٰ یعنی نواب اچھے مرزا خلف الصدق رستم زماں مرزا اچھو میاں (ولد چشم بد دور) مرزا جعفر علی مرحوم و مغفور

وہ ہم ہیں کہ وقتِ جدالِ وقتال — زمانے کو دیتے ہیں سکتے میں ڈال

اُگلتے ہیں جب تیغِ خارا شگاف — لرزتے ہیں ہیبت سے دیوانِ قاف

اگر آج بھی خوں فشانی کریں　　زمانے میں صاحب قرانی کریں

عین اس وقت جب مرزا جی آندھی کے مقابل سینہ تان کر رجز پڑھ رہے تھے ایک طرف سے چھوٹی بیگم نے ان کا بازو پکڑا اور دوسری طرف سے نیاز مند نے یہ جسارت کی اور مرزا جی کو زبردستی گھسیٹتے ہوئے اندر کمرے میں لے آئے مرزا جی چیختے ہی رہے کہ کم بختو کیا کر رہے ہو، بڑے معرکے کی جنگ ہو رہی ہے۔ دشمن بھرپور وار کر رہا ہے، وہ دیکھو، مریخ جادو کے عقب میں پچاس ہزار جادوگر اژدہائے آتش پہ سوار نیزہ ہائے برق صفت ہاتھ میں لئے لوہے میں غرق جنگھاڑتے غل مچاتے شعلے برساتے اس طرف بڑھ رہے ہیں۔ قسم کلام پاک کی نہوجی نے کمال کر دیا۔ واللہ مانتا ہوں اس سپہ گری کو۔۔۔ مگر مقابلہ اچھے مرزا سے ہے۔ بے قسم عباس علمدار کی۔ ایک ایک کو سر میدان شکست دی جائے گی۔ اسے بچی چھوٹی بیگم آیۃ الکرسی کا حصار کھینچ لو۔ آج اس میدان میں قیامت کا رن پڑے گا۔ مرزا جی اسی طرح جنگی نعرے بلند کرتے رہے اور نیاز مند اور بیگم صاحبہ مرزا جی کو کھینچتے ہوئے صحن سے کمرے میں لے آئے چونکہ آندھی کے جھونکے بڑے شدید تھے اس لئے ہر لحہ اندیشہ تھا کہ حضرت آندھی سے اڑ نہ جائیں۔ غرض یہ کہ زبردستی مرزا جی کو کمرے میں بند کیا گیا اور بیگم صاحبہ نے واقعی "آیۃ الکرسی" کا ورد شروع کیا اور مرزا جی نے زیر لب کوئی دعا پڑھ کر دستک دی اور چھت کی طرف دیکھ کر اپنے موکلوں کو آواز دی۔

یا ایہا المیخائیل ابن طیمائیل ابن زالوت ابن خستہ حاضر ہو۔

(دستک دے کر) معرکہ سخت ہے لاکھوں ساحر اچھے مرزا پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اے میخائیل لوح صاحبقرانی اور تعویذ طلسمی لے کر حاضر ہو۔

چھوٹی بیگم: اے ہے کیسی پاگلوں کی سی باتیں کر رہے ہو؟ کیسا میخائیل؟ کہاں کا حملہ؟ کیسے جادوگر؟ آندھی پورب سے اٹھی ہے اور لال رنگ کی ہے۔ خدا کے لئے مصلیٰ بچھا کر دو رکعت نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔

مرزا جی:۔ (تاؤ کھا کر) آپ کیا بے ہودہ باتیں کر رہی ہیں محترمہ؟ یہاں قیامت کا رن پڑ رہا ہے، برابر کی چوٹ چل رہی ہیں پچاس ہزار ساحر زرد رنگ کا لباس پہنے شعلے برساتے

اچھے مرزا پر لوٹ پڑے ہیں اور آپ آندھی آندھی کا راگ الاپے جا رہی ہیں جائیے، اپنے لیاقت علی خاں کے پاس جا کر اس قسم کی احمقانہ باتیں کیجئے (اچھل کر) اور سو ہو ۔ میں نے بھی حملہ کر دیا (آندھی کے زور سے کمرے کے کواڑ دھڑ دھڑاتے ہیں) مرزاجی (چیخ کر) مولویا یہ معمولی دروازہ نہیں ہے کہ تمہارے زور بازو سے ٹوٹ جائے گا۔ فاتح خیبر کی قسم، یہ باب الفتح ہے باب الفتح .... یا علی مدد (بیگم صاحبہ سے مخاطب ہو کر) بیگم صاحبہ خدا کے لئے سورۂ جن کی تلاوت کیجئے۔ اشقیا چاہتے ہیں کہ قلعے کو توڑ کر اندر داخل ہو جائیں، مگر بخدائے لایزال یہ ممکن نہیں ہے (نیاز مند سے) ارے بھئی جمدھر لاؤ، جمدھر نہیں تو پھر تیغ۔ قرولی، نیزہ، برچھا، بلارک تلوار، کرچ، سانگ، دھوپ، بانک، دشنہ، پرطلی، بغدہ، گرز، غرض جو بھی ہاتھ لگے اس وقت دے دو۔ آخر میں کہاں تک نہتا ان دشمنانِ اسلام سے لڑوں گا۔ (مرزاجی جوش میں آکر) نعرۂ تکبیر (خود بخود) اللہ اکبر، پاکستان زندہ باد، اسلام پائندہ باد اللہ اکبر! مرزاجی اس طرح اچھل کود رہے تھے کہ بیگم صاحبہ نے کمرے کا دریچہ کھول دیا اور کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ آندھی اتر گئی اور بوندا باندی شروع ہو گئی۔

مرزاجی (قدرے ساکن ہو کر) بیگم الحمدللہ کہ دشمن نے شکست فاش کھائی اور میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا، افوہ! کتنا بڑا معرکہ سر ہوا ہے، اس جنگ میں دشمن کے اٹھارہ سو سردار نامدار اس کمترین روزگار کے ہاتھ سے واصلِ جہنم ہوئے ہیں اور کمال یہ ہے کہ آج اچھے مرزا نہتا لڑا ہے (آسمان کی طرف رخ کر کے) مولا تو نے اپنے بندۂ ناچیز کی لاج رکھ لی آج .... ورنہ خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہو جاتی تو خان لیاقت علی خاں کی حکومت اس احقر کو تخریبی سرگرمیوں کا موجد یا کمیونزم کا بانی قرار دے کر یا تو سیفٹی ایکٹ میں پکڑ لیتی یا کراچی بدر کرا دیتی اور اچھے مرزا صحرائے سندھ میں ٹاپتا پھرتا (ماتھے سے پسینہ پونچھ کر اور بیگم کی طرف مخاطب ہو کر) بھئی بیگم ہم نے اس فتح عظیم کے لئے مولا مشکل کشا کی نذر مانی تھی۔ اب ہم نذر کریں گے اور کونڈا اٹھائیں گے۔

چھوٹی بیگم: خدا کے لئے ہوش کی باتیں کیجئے کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟

مرزاجی: آپ کس دنیا کی رہنے والی ہیں ہم اتنی بڑی قیامت آپ کے سر سے گزر گئی اور آپ کا بچپن نہ گیا (انہام و تفہیم کے لہجے میں) بیگم، تمہاری جانِ عزیز کی قسم کراچی

پر اس وقت پچاس ہزار جادوگروں نے حملہ کر دیا تھا اور چونکہ حملہ اچانک اور ناگہانی تھا اس لئے بڑا شدید اور تباہ کن تھا، وہ تو بڑی خیر ہوگئی کہ تمہارے اچھے مرزا نے بر وقت دفاعی کارروائی شروع کر دی ورنہ.....

نیازمند: حضرت! آندھی کی پیش گوئی تو ماہرینِ موسمیات ۲۴ گھنٹے قبل کر چکے تھے۔

مرزاجی: لو (حیرت سے) تو کیا آپ کے خیالِ مبارک میں بھی یہ صرف آندھی ہی تھی...

نیازمند: نظر تو وہ آندھی ہی آتی تھی.....

مرزاجی: تو کیا آپ کو مریخ جادو نظر آتا؟ میاں! کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو؟ قسم قرآن کی احمقوں کو بھی سن کر ہنسی آتے، بھائی میرے ساحروں کا حملہ اسی رنگ سے ہوا کرتا ہے۔ خیر الحمدللہ کہ بھارت کا پہلا "ہوائی حملہ" پسپا کر دیا گیا۔ باقی کا انتظار ہے۔

الہم احفظنا من سیئات اعمالنا

نواب اچھے مرزا صاحب قبلہ کی پریس کانفرنس

نواب اچھے مرزا صاحب قبلہ کی صحبت میں متعدد مرتبہ "پریس کانفرنس" کا ذکر آیا۔ لیکن وہ عرصے تک "پریس کانفرنس" کا مفہوم یہ سمجھتے رہے کہ وہ پنچایت جو چھاپے خانے میں ہوا کرتی ہے چنانچہ جب بھی انکے سامنے لیاقت علی خاں اور چودھری سر ظفر اللہ وغیرہ کی پریس کانفرنسوں کا تذکرہ آیا۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ "میاں! آپ سچ کہنا۔ کیا یہ لوگ اس قدر بے پیندے کے ہوگئے ہیں کہ چھاپہ خانوں میں جاکر پھڑ جماتے اور گپیں ہانکتے ہیں جب ایک روز نیاز مند نے انہیں "پریس کانفرنس" کا مطلب سمجھایا تو فرمانے لگے کہ البتہ یہ ایک معقول بات ہوئی۔ لاحول ولاقوۃ۔ ہم ابھی تک پریس کانفرنس کی لم ہی نہ سمجھے۔ بہر حال اس روز سے مرزا صاحب تاک میں رہے کہ جب بھی موقع ہوگا، پریس کانفرنس منعقد فرمائیں گے اور مزے سے اپنا بیان دنیا بھر کے اخباروں میں چھپوائیں گے۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ لیاقت علی خاں صاحب پنجاب کے دورے پر تشریف لے گئے اور اخبار نویسوں کو روز روز کے جھنجٹ سے چھٹی ملی۔ مرزا صاحب کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اور جھٹ قلمدان کھول .... نیشاپوری قلم سے زر فشانی کاغذ پر بخط گلزار اخبار نویسوں کے نام دعوت نامے تحریر کئے۔ ہر دعوت نامے کا مضمون اس قسم کا تھا "فصاحت دستگاہ، صحافت پناہ جناب دبیر و مدیر اخبار .... بعافیت باشند امابعد .... گزارش بخدمت عالی آنکہ فدوی ہمیشہ سے غلام اہل کمال کا .... اور جان نثار اہل قلم کا رہا ہے وجہ یہ کہ خود فدوی کا تعلق ایک ایسے خاندان فضیلت نشان سے ہے کہ شہرہ اس کا از قاف تا بہ قاف ہے۔ پدر بزرگوار اس عاجز کے مایۂ ناز لکھنؤ المسمیٰ

بہ مرزا پھوپا صاحب قبلہ مدظلہ العالی صاحب ہوتے ہیں اور جدِ امجد اس ننگِ اسلاف کے عالیجناب مرزا ٹلی صاحب اعلیٰ اللہ المقامہ تھے کہ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے نہ محتاجِ تعریف ہیں نہ محتاجِ تعارف۔ فدوی صرف قلم کے کوچے کا ہی شہسوار نہیں ہے بلکہ الحمد للہ زمرۂ اہلِ سیف کے بھی ہے اور قسم بذاتِ خدائے عزوجل کہ فنِ تیغ زنی، نیزہ بازی، صف آرائی اور شہ سواری میں یگانۂ روزگار اور شہرۂ آفاق گنا جاتا ہے۔ خیر آمدم برسرِ مطلب.... درخواست یہ ہے کہ اس بدنصیب کی کہ آج شب کو حضورِ والا فدوی کے یہاں آش جو اور نانِ خشک تناول فرما کر فدوی کو ہم چشموں میں ممتاز اور اپنے کو سرفراز فرمائیں والسلام سنت الاسلام احقر العباد اچھے مرزا۔

مرزا صاحب کے اس خط نے کراچی کے اربابِ صحافت کے حلقے میں عجب زندگی اور دلچسپی پیدا کر دی اور وقتِ موعودہ پر کراچی کے بہت سے نامہ نگارانِ اخبارات دلوں میں بے پناہ شوق و ارمان لئے مرزا صاحب کے دروازے پر جا دھمکے۔ دق الباب کیا تو مرزا صاحب سر سے پاؤں تک اوجی بنے دولت خانے سے برآمد ہوئے۔ سبحان اللہ کیا لباس تھا۔ سر پر فولادی خود، بر میں شیروانی، شیروانی پر زرہ کی قسم کی خفتان.... (واسکٹ) ایک ہاتھ میں تلوار، اور ایک ہاتھ میں خامۂ مشکبار، گویا وہ سر سے پاؤں تک اہلِ قلم اور اہلِ سیف بنے ہوئے تھے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مرزا صاحب کو اس حلیے میں دیکھ کر کیا عالم ہوا ہوگا اہلِ صحافت کا۔ مگر کیا مجال کہ چوں کرتے، لب کھولتے تو سر کھل جاتے سر ہلاتے تو گردن قلم ہو جاتی، آنکھ اٹھاتے تو آنکھیں نکال لی جاتیں۔ غرض یہ کہ مرزا صاحب نے نامہ نگارانِ اخبارات کے ہجوم کو دیوان خانے میں (مرزا صاحب نے اپنے فلیٹ کے برآمدے کو دیوان خانہ قرار دیا ہے) بٹھایا اور اب باضابطہ پریس کانفرنس شروع ہوئی اس پریس کانفرنس میں جو سوالات و جوابات ہوئے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

نامہ نگار: کوریا کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے؟

مرزا صاحب: بندے نے آج تک اس مرض کا نام نہیں سنا۔ کیا ملیریا کی قسم کا کوئی بخار ہے؟

نامہ نگار: قبلہ مرض نہیں ایک ملک کا نام ہے!

مرزا صاحب: (حسبِ عادت اچھل کر) ہائیں! اماں کیا سچ کہہ رہے ہو؟ جنبِ کس طرف واقع ہوا ہے یہ ملک؟ بندے نے آخر کو دو دن دیکھنا پڑتا یاد۔ جغرافیے کے ماہر ہیں یہ عاجز۔ بھلا کس ملک سے ناواقف ہیں ہم چین، ماچین، تاتار، کوہ کاف، باختر، بالا باختر، کوہِ قاف، فرنگستان، سراندیپ، حبشہ، پرستان، ملک اجنہ، ملک ظلمات، غرض ان تمام براعظموں کو چاٹے پڑا ہے یہ بدنصیب۔

تعجب ہے کہ آج تک "کوریا" کا نام نہیں سنا گیا، کیا کوئی جزیرہ ہے؟

نامہ نگار: قبلہ چین کے قریب ایک ملک ہے کوریا؟

مرزا صاحب: تو حضرت ماچین کہئے نا! لیجئے اب سارا معمہ حل ہو گیا۔ آخر تاریخ دانی کا جوہر کسے کہتے ہیں؟ تو سنئے حضرت چین ماچین۔ ایک بہت بڑا ملک ہے جو کسی زمانے میں شہنشاہ افراسیاب جادو کے ماتحت تھی یہ اقلیم اور کوکب نورافشاں اور امیر حمزہ کے پوتے ایرج نامور نے فتح کیا تھا اس سرزمین کو۔ اے سبحان اللہ کیا رن پڑا تھا؟ مگر بندہ اس وقت ان واقعات کی تفصیل نہیں بیان کرے گا، آپ حضرات خود اہلِ علم نظر آتے ہیں۔ حوالے کے لئے چند نایاب کتابوں کے نام لکھ دیتے ہیں۔ انشاء اللہ اس ملک کی پوری تاریخ معلوم ہو جائے گی۔ لکھئے ان تاریخوں کے نام! ایرج نامہ ہر دو جلد مصنفہ منشی احمد حسین قمر مرحوم، تورج نامہ، کوکب نامہ، افراسیاب نامہ جلد ہفتم مصنفہ استاد فیضی ملک الشعراء دربار اکبری، بوستانِ خیال مصنفہ امداد علی بریلوی۔ اگر جناب کو مزید تفصیلات معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو داستان امیر حمزہ اور رزم نامہ عمر عیار ضیری کا مطالعہ کافی ہوگا۔ یہ سب کتابیں منشی نول کشور نے چھاپی ہیں اور اس عاجز کے کتب خانے میں موجود ہیں، بلکہ شب و روز زیرِ مطالعہ رہتی ہیں۔

نامہ نگار: قبلہ داد نہیں دی جا سکتی آپ کے مبلغِ علم کی۔ واللہ کمال ہو گیا، کن کن تاریخوں کے نام گنوائے ہیں؟ خیر تو عرض یہ ہے کہ اس ملک میں جو جنگ ہو رہی ہے اس کے متعلق کیا خیال ہے آپ کا؟

مرزا صاحب: (سناٹے میں آ کر) جنگ؟ ایں جنگ شروع ہو گئی کوریا! ایرج نامور نے

نے لوحِ طلسم حاصل کرلی اور گنبدِ سحر کو توڑ دیا۔

نامہ نگار : حضور ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ کیسی لوحِ طلسم، کیسا گنبدِ سحر؟

مرزا صاحب : (غور و فکر کے عالم میں آہستہ آہستہ) بے شک آپ لوگوں کو نہیں معلوم کیونکہ آپ کا مبلغ علم از میٹرک تا بی اے ایم اے محدود ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ اس ربع مسکون میں کتنے ممالک ہیں؟ کتنی بادشاہتیں ہیں؟ کتنے تاجدارانِ گردوں رکاب اپنی اپنی قلمرو میں حکمراں ہیں؟

نامہ نگار : مگر قبلہ! آخر کچھ فرمایئے تو آپ سوچ میں کیوں پڑ گئے؟

مرزا صاحب : (کسی قدر چونک کر) آپ نے کہا تھا کہ چین ماچین میں جنگ چھڑ گئی ہے، مجھے اس جنگ کی داستان والدِ ماجد سنایا کرتے تھے۔ ایرج کا چین ماچین پر حملہ بہمن ہزار دست سے زبردست مقابلہ۔ ایرج کا بہمن سے شکست کھانا اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر جان دینے کا قصد کرنا۔ پردۂ غیب سے خواجہ خضر کا نمودار ہونا اور ایرج کو بتانا کہ جب تک لوحِ طلسم ہاتھ نہ آئے گی بہمن شکست نہ کھائے گا، لہٰذا تم پہلے لوحِ طلسم حاصل کرو اور اس کے بعد جنگ کا قصد کرنا۔ یہ لوح گنبدِ سحر میں محفوظ ہے، اور گنبد کو توڑے بغیر اس لوح کا دستیاب ہونا محال ہے۔ بندے نے یہ داستانِ عبرت بیان یہیں تک سنی ہے۔ اب آپ کہتے ہیں کہ قلمروئے چین و ماچین میں جنگ شروع ہو گئی تو لامحالہ بندے کا ذہن اس واقعے کے تاریخی پہلوؤں کی طرف منتقل ہو گیا۔ جنگ چھڑنے کے معنی کیا ہوئے؟ یہ کہ ایرج کو لوح ہاتھ آ گئی، گنبد کا سحر ٹوٹ گیا اور اس نے بہمن ہزار دست پر حملہ کر دیا۔ سمجھے آپ۔

نامہ نگار : قبلہ! اس لڑائی میں تو ژومین اور اسٹالین کا مقابلہ ہے۔ یہ آپ ایرج اور بہمن کو کہاں سے لے دوڑے؟

مرزا صاحب : (کسی قدر برافروختہ ہو کر) سچ کہا ہے کسی نے خدا ایمان دے نہ دے عقل ضرور دے۔ بندہ خدا میں تاریخ بیان کر رہا ہوں، آپ اخباری گپوں کو لئے بیٹھے ہیں۔ آپ نے کیا بندے کو جغرافیے سے بالکل کورا ہی سمجھ رکھا ہے؟ کیا ہمیں نہیں معلوم کہ ژومین ترکیہ نامی قلمرو کے بادشاہ عالی جاہ کا نام ہے اور اسٹالین اس عہد کا ثانی کیقباد و کیکاؤس یعنی

شہنشاہ ملک روس ہے - اللہ کے بندو! کہاں ٹرومین واسٹالین اور کہاں چین وماچین؟ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔

نامہ نگار: مرزا صاحب! تبت پر بھی تو چین کی فوجوں نے دھاوا بول دیا

مرزا صاحب: (بلا مبالغہ سوا پانچ فٹ اچھل کر) قسم کلام مجید کی۔ ہائیں بونوں کے ملک پر حملہ ہو گیا۔ لیجئے جناب قیامت آگئی اللہ اکبر۔ جس روز ایں جانب نے مرغیوں کو بانگ دیتے اور عورتوں کو تقریر کرتے سنا تھا اسی روز سمجھ گیا تھا کہ قیامت قریب ہے۔ لیجئے آپ نے ان تمام اندیشوں کی تصدیق کر دی۔ کتب قدیمہ میں قرب قیامت کی جو علامتیں لکھی ہیں۔ ان میں بونوں کے ملک پر چین کے حملے کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ہے ہے کیا زمانہ آگیا

نامہ نگار: - مرزا صاحب! آخر فرمایئے تو کہ اس حملے کی اہمیت کیا ہے؟

مرزا صاحب: - حضرت! کس زبان سے بتاؤں؟ ...... اچھا سنئے، آپ جانتے ہیں کہ چین کے باشندے "چینیا بیگم" کے شیدائی ہوتے ہیں۔ ایک ذرا سی گھول کر پی لی اور عمر بھر کے لئے دین و دنیا سے بے نیاز ہو گئے۔ چین کے لوگوں کو لڑائی بھڑائی سے کیا سروکار؟ چنانچہ پچھلی تاریخوں اور معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ چین ہمیشہ "چینیا بیگم" کے طفیل جنگ و خوں ریزی سے محفوظ رہے گا۔ لیکن آخر زمانے میں چین کے اندر "افیون" کا سخت قحط پڑے گا اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ رتی بھر افیون ڈھونڈے نہ ملے گی، اس وقت چینی فوج بدحواس ہو کر اٹھ کھڑی ہو گی اور "چینیا بیگم" کے فراق میں پہلے "بالشتیوں اور بونوں کے ملک" یعنی تبت پر حملہ کرے گی۔ بالشتیے جم کر چینیوں کا مقابلہ کریں گے، مگر پھر آخر میں اس شرط پر صلح ہو جائے گی کہ بونوں کا بادشاہ ہر سال چین کی مملکت کو دو خروار افیون ہزار کٹھے نیشکر اور ہزار پچی قلاقند، خراج کے طور پر پیش کیا کرے گا۔ جب بونے اور چینی ایک دوسرے کے حلیف بن جائیں گے تو وہ قوم یاجوج ماجوج کے بادشاہ عالی جاہ سے درخواست کریں گے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہفت اقلیم کی فتح کے لئے نقارۂ جنگ پر چوب پڑے۔ یاجوج وماجوج کا بادشاہ بہت عرصے سے ربع مسکون کو مسخر کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے،

وہ چینیوں اور بالشتیوں کی درخواست منظور کر کے اپنے پہاڑوں سے اترے گا ۔ لشکر یاجوج ماجوج پوری سد سکندری کو چاٹ کر ہضم کر لے گا اور ڈکار تک نہ لے گا ۔ جب یہ دیوار زمین کے برابر ہو جائے گی تو یاجوج ماجوج کی فوج اور چینیوں کی سپاہ تمام دنیا کو لوٹ کر صاف کر دے گی اور اس طرح قیامت آجائے گی اور حضرت اس سارے ہنگامے کی بنیاد "چینیا بیگم" ہونگی ۔

نامہ نگار: حضور والا! یہ تو ہم سمجھ گئے کہ بالشتیوں کا ملک "تبت" ہے لیکن یہ قوم یاجوج ماجوج اور یہ سد سکندری ؟

مرزا صاحب: (انتہائی افسوس کے لہجے میں) اللہ اللہ کیا زمانہ ہے کہ ہماری قوم کے نوجوان تاریخ اور جغرافیے کو قطعاً فراموش کر چکے ہیں ۔ وہ باتیں جو ہماری نانی اماں مرحومہ تک کے ورد زبان تھیں آپ لوگوں کو اچنبھا اور عجوبا معلوم ہوتی ہیں ۔ قسم کلام مجید کی چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا مقام ہے ۔ توبہ توبہ! اس قدر جہالت ؟ اتنی بے خبری ؟ اس درجہ سادہ لوحی ؟ یعنی آپ لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ یاجوج ماجوج کی قوم کون ہے ؟ کہاں رہتی ہے ؟ سد سکندری کس چڑیا کا نام ہے ۔ ؟ حیف صد ہزار حیف !

نامہ نگار: حضرت! آخر زبان سے تو پھوٹیے کہ آپ کا اشارہ کس طرف ہے ؟

مرزا صاحب: ۔ خبردار، چونچ سنبھال کے ورنہ ہم عباس علمدار کی سرخاک پر ٹھوکریں کھاتا نظر آئے گا ۔ یہ لیاقت علی خاں کی پریس کانفرنس نہیں ہے کہ بکریوں کی طرح پان چبائے جا رہے ہیں ۔ بھینسوں کی طرح جگالی کی جا رہی ہے اور اونٹ کی طرح ملبلایا جا رہا ہے اور وزیر اعظم بہادر ہیں کہ ٹک ٹک، دیدم دم نہ کشیدم ۔

یہ اچھے مرزا کی پریس کانفرنس ہے اور . . . . . .

مرزا صاحب کا پارہ غضب اوپر چڑھتے دیکھ کر نامہ نگاران صحافت کے ہوش فقرو ہو گئے اور ایک ایک نے آہستہ آہستہ کھسکنا شروع کیا ۔ مرزا صاحب کا جلال

معاذاللہ! ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا اور بار بار مونچھوں پر تاؤ دیتے تھے تا اینکہ چند
نیازمندانِ قدیم نے پانی کا گلاس پیش کیا اور مرزا صاحب پانی کے ساتھ غصّے کو بھی
نوشِ جان فرما گئے اور اس کے بعد بمشکل پریس کانفرنس کو برخواست کیا گیا۔

کراچی پولیس سے اچھّے مرزا کی جھڑپ

پرسوں رات ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہنسی بھی آتی ہے اور تعجب بھی ہوتا ہے۔ بات صرف اتنی تھی کہ حسبِ معمول نمازِ عشاء کے بعد اوراد و وظائف سے فراغت پاکر مرزا صاحب قبلہ نے افیون گھولی اور دو ایک چسکیاں لگا کر مزے سے مسہری پر دراز ہو گئے۔ ملازم نے پیچوان لگا دیا اور مرزا صاحب پیچوان کی نے منہ میں دبا اشغلِ... نیاز مند قریب ہی ایک چارپائی پر لیٹا دن کے اخبارات پڑھ رہا تھا کہ اچانک بلڈنگ کی دوسری منزل سے شور اٹھا "دیکھو، پکڑ لو، دوڑیو! بھاگنے نہ پائے۔ ساتھ ہی دھم دھم کی آوازوں سے پوری بلڈنگ گونجنے لگی، مرزا صاحب نے بھی عالمِ سرور میں یہ آوازیں سنیں اور اچانک بجلی کی طرح تڑپ کر پیچوان کی نے پھینک، حضرت چارپائی پر الف ہو گئے۔ اتفاق سے مسہری کے نیچے ایک خوبصورت بلّا پڑا سو رہا تھا وہ بھی اس کھڑکھڑاہٹ سے چونکا اور یہ سمجھ کر کہ نہ جانے کیا آفت آ رہی ہے؟ گھبراہٹ میں افیون کی پیالی پھینک برآمدے کی طرف دوڑا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ مرزا صاحب کی گھگی بندھی ہوئی ہے، مسہری پر دوزانو بیٹھے ہیں۔ ایک ہاتھ ہوا میں تلوار کی طرح علم ہے اور دوسرے ہاتھ کو اس طرح تانے ہوئے ہیں گویا غنیم کے مقابل ڈھال سنبھالے کھڑے ہیں۔ حیران کہ یاک پروردگار یہ مرزا جی کو کیا ہو گیا؟ اتنے میں شور بہت حد تک فرو ہو گیا تھا اور بلڈنگ کے لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ارماں کچھ بھی نہ تھا، خواہ مخواہ ڈرا دیا۔ اس فلیٹ والے ہمیشہ کوئی نہ کوئی شغلہ چھوڑتے رہتے ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، چلئے آرام سے سوئیے، مگر ہمارے مرزا صاحب قبلہ اب تک اسی عالم میں مبارز طلب تھے۔ میں نے ادب سے گزارش کی کہ قبلہ

لیجئے! اب آرام فرمائیے۔ تحقیق ہو گیا کہ کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

مرزا صاحب نے بگڑ کر کہا، آپ کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں؟ قسم کلام پاک کی۔۔۔ بہت بڑا معرکہ درپیش تھا، وہ تو یوں کہئے کہ مولا مشکل کشا نے آبرو رکھ لی ورنہ آج ربنا احفظنا من کل بلیات۔

نیاز مند: حضرت کچھ فرمائیے تو آخر ہوا کیا؟

مرزا صاحب: جناب کا خیال کیا ہے؟ مرزا صاحب نے طنزاً کہا۔

نیاز مند: کچھ بھی نہیں قبلہ! بلڈنگ والوں نے خواہ مخواہ شور مچا دیا تھا، چور ہے چور ہے، چور تھانہ ڈاکو۔!

مرزا صاحب: کیا خوب! (مرزا صاحب نے کسی قدر مسکراتے ہوئے طنز کے طور پر فرمایا) سچ کہا ہے کسی نے کہ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر، یہاں اتنا بڑا معرکہ پیش آ گیا اور جناب کے خیالِ مبارک میں بات صرف اتنی سی ہے کہ بلڈنگ والوں نے جھوٹ موٹ "چور ہے چور ہے" کا شور مچا دیا تھا۔ سبحان اللہ آپ نے کیا اپنے چھچے مرزا کو دادِ شجاعت دی ہے۔

نیاز مند: مگر آخر فرمائیے تو کہ ماجرا کیا ہے؟ میری نظروں کے سامنے تو کوئی رن پڑا نہیں آخر کس بات پر دادِ شجاعت دوں؟

مرزا صاحب: جناب نے اس عاجز کی پھرتی ملاحظہ فرمائی۔

نیاز مند: جی ہاں شور مچتے ہی آپ بستر سے اچھل پڑے تھے اور پھر دوزانو ہو کر اس طرح بیٹھ گئے تھے گویا کسی سے قصدِ نبرد ہے۔

مرزا صاحب: جزاک اللہ! آپ نے غنیم کو حملہ کرتے دیکھا؟

نیاز مند: نہیں۔

مرزا صاحب: آپ نے دشمن کو فرار ہوتے دیکھا؟

نیاز مند: جی نہیں البتہ ایک بلا ضرور افیون کی پیالی پھینک پھانک کر بھاگا تھا۔

مرزا صاحب: (کوئی دو فٹ اچھل کر) اچھا تو وہ آپ کے خیالِ مبارک میں بلا تھا۔ واللہ مان گیا کیا جانگلو پن ہے۔

نیازمند : کیا خوب وہ بلّا نہیں تھا جو حضور کی مسہری کے نیچے سے نکل کر بھاگا ہے۔
مرزا صاحب: نہیں برخوردار، ضرور بلّا تھا اگر کل جناب اس پر مصر ہو جائیں کہ یہ اونٹ نہیں بلّی ہے تو ناچار یہ بھی تسلیم کر لینا پڑے گا، واللہ کن کن عقلاء سے پالا پڑا ہے اس کراچی میں؟ ایک خان لیاقت علی خاں ہیں جو ہر بلّی کو اونٹ بنا کر دکھاتے ہیں، ایک جناب ہیں کہ ہر اونٹ آپ کے خیالِ مبارک میں بلّی ہے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! مرزا صاحب سے یہی زق زق ہو رہی تھی کہ بلڈنگ سے شور اٹھا، "پولیس آگئی پولیس آگئی"۔ فوراً ایک صاحب ہانپتے کانپتے دوسری منزل سے تیز تیز تیسری منزل میں آئے اور کہنے لگے کہ پولیس آگئی صاحب، بلڈنگ کے تمام باشندوں کو چل کر بیان دینا پڑے گا۔

مرزا صاحب نے فرمایا: اس جانب بھی بیان دیں گے چلیئے!
میں نے ہر چند چاہا کہ مرزا جی اس خبط سے باز آجائیں مگر توبہ کیجیئے، انہیں تو کچے گھڑے کی چڑھی تھی ایک نہ سنی اور اسی وقت دوپلی ٹوپی سر پر رکھ کر دیب ہاتھ میں لے اچکن کے بند باندھ اور میرا بازو پکڑ تیسری منزل سے دوسری منزل اور دوسری منزل سے فرشِ زمین پر نازل ہو گئے جہاں ایک برآمدے میں داروغہ صاحب مع چند سپاہیوں کے جلوہ فرما تھے اور بلڈنگ والوں کے بیانات سن رہے تھے۔ ہر شخص قسمیں کھا کھا کر کہہ رہا تھا کہ . . . .

حضرت چور دور خاک نہ تھا، ایک بڑھیا کو سوتے میں کابوس نے آدبایا، وہ چیخیں مارنے لگی۔ لوگوں نے بلا تحقیق چور چور کا شور مچا دیا۔ مگر داروغہ صاحب کا اصرار یہ تھا کہ نہیں ضرور کوئی نہ کوئی واردات ہوئی ہے اور بلڈنگ والے اسے چھپانا چاہتے ہیں غضب خدا کا چور چور کے نعروں سے پورا شہر نہیں تو آدھا شہر گونج رہا تھا اور آپ حضرات کا بیان یہ ہے کہ ایک بڑھیا کو کابوس نے آدبایا تھا ناممکن۔ بخدائے لایزال ناممکن!
مرزا صاحب: ممدوح نے آگے بڑھ کر کہا کہ قبلہ! آپ کا خیال صحیح ہے۔
داروغہ : (چونک کر اور مرزا صاحب کی طرف بغور دیکھ کر) جناب کی تعریف؟

مرزا صاحب: خاکسار احقر العباد کو اچھے مرزا کہتے ہیں۔

داروغہ: وہی اچھے مرزا نا، جن کے مضامین "اخبارات" میں برابر چھپتے رہتے ہیں!

مرزا صاحب: جی بندہ پرور یہ وہی بدنصیب ہے۔

داروغہ: تو قبلہ مرزا صاحب، آپ برمحل تشریف لائے، واردات بے حد سنگین ہے اور آپ کی بلڈنگ والے اس کا اخفا کرنا چاہتے ہیں، اگر چاہوں تو قسم رب العزت کی ساری بلڈنگ کو زیر دفعہ ۲۱۲ الف، و زیر دفعہ ۳۱۷، ۳۷۹، ۳۴۵ ج تعزیرات فوجداری بلکہ از روئے سیفٹی ایکٹ دھر لوں، لیکن کیا کروں آپ جیسے شرفا کا قدم درمیان میں ہے اس لئے مجبور ہوں۔

مرزا صاحب: جزاک اللہ خیر الجزا ۔ خدا آپ کو سوائے غم حسینؑ کے اور کسی غم میں مبتلا نہ کرے اگر آپ جیسے غازیوں کے ہاتھ میں پاکستان کی زمام کار ہو تو کفیٰ باللہ شہیدا اس ملک میں نہ چور اچکوں کا نام و نشان رہے نہ جرائم کا رواج!

داروغہ: تو مرزا صاحب! پھر آپ اپنا بیان قلم بند کرا دیجئے۔

مرزا صاحب: بسم اللہ!

داروغہ: اصل واقعہ کیا ہے؟

مرزا صاحب: کیا عرض کروں حضرت، ماجرائے عجیب و غریب ہے۔ بگوش ہوش سماعت فرمائیے۔ جناب نے کتب تواریخ میں "دیو ہزار دست" کا نام پڑھا ہوگا۔

داروغہ: (حیرت سے) کیا فرمایا؟

مرزا صاحب: دیو ہزار دست!

داروغہ: یہ کون بزرگ ہیں؟

مرزا صاحب: واہ جناب واہ! آپ اتنی بڑی شخصیت سے واقف نہیں۔ اماں کوہ قاف کا بادشاہ جسے افراسیاب جادو نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا جو ملکہ مہر نگار کو مسہری پر سے اڑا لے گیا تھا۔ یہ مزید یاد دہانی بھی عرض کر دوں جسے امیر حمزہ نے سر میدان زیر کیا تھا۔

داروغہ: (انتہائی حیرت کے عالم میں) جی، خبر فرمائیے!

مرزا صاحب : تو بندہ نواز اس موذی کے حوالیوں موالیوں میں ایک جن ہے جس کا نام مزنخ ابن کیکائیل ابن ارزق بن یوشع بن طہمورث دیوبند شاگرد رشید حکیم لقمان ولد حکیم فیثا غورث ولد حضرت آصف ابن برخیا وزیر باتدبیر حضرت سلیمان ابن داؤد علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

داروغہ : فرمائے جائیے۔

مرزا صاحب : اس ظالم جن سے بندہ کی پرانی لاگ ڈانٹ ہے۔ از لکھنؤ تا بہ کراچی - اس شقی نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ جب تک یادش بخیر یہ عاجز لکھنؤ میں تھا۔ مزنخ جن سے دو چار مرتبہ گلچپ ہوئی اور کراچی آکر تو ہفتے میں دو تین مرتبہ باضابطہ معرکہ آرائی ہوجانا گویا واجب ہے۔

داروغہ : نزاع وفساد کا سبب ؟

مرزا صاحب : قبلہ یہ بھی ایک عجیب داستان ہے۔ رکاب گنج میں فدوی کے غریب خانے کے متصل ایک صاحب غلام حسین وثیقہ دار شاہی رہتے تھے ان کے گھر میں چشم بددور، ایک دختر تھی سبحان اللہ! کیا حسن تھا۔

سر سے پا تک وہ نور کا عالم — چشم بد دور حور کا عالم
وہ غزالیں وہ سرمگیں آنکھیں — رشک چشم غزال چیں آنکھیں
روئے پُر نور پر وہ زلف سیاہ — چین میں جیسے زنگیوں کی سپاہ
رشکِ سلمیٰ و غیرتِ لیلیٰ — قدِ بالا۔ قیامتِ صغریٰ

نام اس بدلیعہ حسن وجمال اور نازنین حور تمثال کا "سمن عذار بیگم" تھا۔ بندہ بدِ طفلی ہی سے شرابِ عشق کا لذت چشیدہ اور خوبانِ جہاں کا گرویدہ رہا ہے چنانچہ اس احقر کا سمن عذار بیگم سے . . . .

داروغہ : مرزا صاحب از برائے خدا اختصار !

مرزا صاحب : اختصار یہ کہ جب وہ ہلال شبِ اوّل ماہ شب چہاردہ بنا یعنی اس حسینہ کی عمر چودہ سال کی ہوئی تو یہ مزنخ جن اس پہ عا. . . . . . .

داروغہ : تو آپ نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی۔ دفعہ ۱۱۲ قانون فوجداری کے ماتحت

مرزا صاحب: قبلہ! پولیس میں رپورٹ کرایا کرتے ہیں بزدل، بندہ تو یاعلیؑ کہہ کر دنگل میں کود پڑا اور مرتخ جن سے ایک کراری پکڑ ہوگئی۔

داروغہ : تو آج کل کیا صورت حال ہے؟

مرزا صاحب: اسی روز سے یہ شقی برسرِ جدال ہے۔

داروغہ : خیر یہ داستان تو میں کسی دوسرے وقت سنوں گا۔ فی الحال تو آپ اس چور کے بارے میں اپنا بیان درج کرا دیجئے۔ جسے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

مرزا صاحب: بہت بہتر۔

داروغہ : حلیہ ارشاد فرمایئے۔

مرزا صاحب: حضت اس مردک کا ایک حلیہ ہو تو لکھواؤں۔ اونٹ وہ بن جائے۔ بلی کی شکل میں وہ در آئے۔ چمگادڑ کا روپ وہ دھارے، بکرے کا بھیس وہ بدلے۔ اسی مکھی سے لے کر عزرائیل تک جس قدر مخلوقات واقع ہوئی ہیں اور ہو سکتی ہیں، ظالم ہر اک کے جون میں آ سکتا ہے

داروغہ : آپ کا اشارہ کس طرف ہے؟

مرزا صاحب: شقی ازلی کی طرف۔

داروغہ : یعنی؟

مرزا صاحب: مرتخ جن۔

داروغہ : استغفراللہ۔ میں چور کے بارے میں پوچھ رہا ہوں اور آپ مرتخ جن کی داستان لے بیٹھے۔

مرزا صاحب: صحیح ہے، اور آج شب وہی کم بخت چور بن کر آیا تھا۔

داروغہ : حضت! بھلا یہ کس طرح ممکن ہے؟

مرزا صاحب: ممکن ہی نہیں، بندہ نواز، یقینی ہے۔ پہلے قصہ سن لیجئے۔ صبح یہ مردک چیلنج دے گیا تھا کہ آج صبح آپ کی بلڈنگ پر یلغار کروں گا۔ فدوی صبح ہی سے اس یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ نمازِ عشاء کے بعد ظالم نے حملہ کیا اور جب اچھے مرزا کو آمادہ پیکار

پایا تو بلا بن کر فرار ہو گیا۔

داروغہ: مگر یہ باتیں رپٹ کے رجسٹر میں تو درج نہیں کی جا سکتیں۔

مرزا صاحب: کیوں نہیں درج کی جا سکتیں۔ بندہ بحلف شرعی عرض کر رہا ہے۔

داروغہ: قبلہ رجسٹر پولیس میں اس قسم کا اندراج ناممکن ہے۔

مرزا صاحب: ناممکن (اچھل کر) تو یوں کہیئے کہ آپ خود انسدادِ جرم نہیں کرنا چاہتے۔ بندہ تو پہلے ہی جانتا تھا کہ کراچی پولیس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ مجرموں کو دھر پکڑے گی، اپنے گھامڑ پن کا ثبوت دینا ہے۔ بے چارہ رئیس امروہوی روتے روتے مر گیا کہ خدا اور رسول کے لئے میری چوری کا سراغ لگا دو۔ یہ جھگڑا، اخبار کے کالم تک پہنچا مگر

کون سنتا ہے فغانِ درویش

قہرِ درویش بجانِ درویش

قسم جناب امیر کی، اگر فدوی کو شہر کی کوتوالی اور فوجداری سپرد کر دی جائے تو مجرم تو مجرم مشتبہ لوگوں تک کو ٹکٹکی پر کھنچوا دے، جس نے دست درازی کی، ہاتھ قلم، جس نے سر اٹھایا سر ندارد۔ چوروں، اچکوں، ڈاکوؤں، جیب کتروں، قزاقوں، شب گردوں اور صبح خیزوں کو وہ سزا دوں کہ شہر میں لفظ "جرم" کے ہجے تک کرنے والے نہ ملیں۔ مگر آج جیسی حکومت ہے ویسی پولیس، جیسے حکام، ویسا عملہ۔

داروغہ: مرزا صاحب بس کیجئے۔ آپ نے تو پوری حکومت کو "توم" ڈالا ہم چوروں کی گرفتاریوں پر مامور ہوئے ہیں، نہ کہ جناتوں کی، اس کام کے لئے عاملوں اور سیانوں کو بلایئے

مرزا صاحب: اچھا صاحب! رحم فرمایئے۔ بندہ رخصت۔

دستورِ پاکستان کی ترتیب

بہت کم خوش نصیبوں کو یہ بات معلوم ہے کہ نواب چھچھے مرزا صاحب قبلہ اور تمام خوبیوں اور خوش اسلوبیوں اور کمالات اور "ستودہ صفات" کے ساتھ اس عہد کے سب سے بڑے ماہر آئین و عالم قانون بھی ہیں اور ایسے عالم ہیں کہ حضرت نے آج تک کسی آئین و قانون کا مطالعہ نہیں کیا۔ فرماتے ہیں کہ اللہ نے دماغ ہی اس ترکیب کا فٹ کیا ہے کہ کوئی بے قاعدہ بات مغز مبارک میں سما ہی نہیں سکتی۔ کیا مجال کہ ایک قدم بھی بے ضابطہ اٹھے اور ایک سانس بھی بے سُری نکلے، جب یہ خبر مسرت اثر حضرت کے سمع مبارک تک پہنچی کہ پاکستان کا دستور زیر تشکیل ہے تو ممدوح کوئی سوا تین فٹ اُچھل پڑے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ:

سُن رہے ہو کہ کیا سُن رہا ہوں۔

نیازمند: کیا۔ قبلہ۔ کیا؟

مرزا صاحب: تمہارا سر۔ ارے بھئی۔ یہ آج معلوم ہوا کہ اب تک پاکستان کی مشین کسی دستور اور قاعدے کے بغیر چلتی رہی ہے۔ سوچا کرتا تھا کہ پالنے والے! آخر یہ ہماری حکومت کے سارے کام بے ڈھنگے۔ توکلت علی اللہ قسم کے کیوں ہوتے ہیں۔ لو صاحب۔ اونٹ بڈھا ہو گیا اور موتنا نہ آیا۔ ہمیں پاکستان آئے ہوئے تین سال ہو گئے اور آج تک اس بے ضابطگی اور اس بے ڈھنگے پن کی "لم" وجہ نہ دریافت ہوئی بارے۔ آج کھلا کہ اصلیت کیا ہے، یعنی تماشہ تو دیکھئے کہ پاکستان بنے ہوئے تین بلکہ ساڑھے تین سال ہو گئے اور آج تک یاران طریقت، مزے اڑاتے اور بلا قاعدے قانون کے حکومت کی گاڑی چلاتے رہے ہیں

ارے میاں! اگر دوسرے کاموں میں مصروف تھے اور دستور سازی کی مہلت نہ تھی تو ہم سے کہتے، آخر سارے کام لیاقت علی خاں اور غلام محمد اور خواجہ شہاب الدین اور چودھری ظفر اللہ اور کیا نام... میاں منڈل[1] ہی کیوں کریں۔ آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں؟ مصیبت تو یہ ہے کہ لوگ نہ خود کام کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ اب قانون بنانا بھی کوئی ایسا مشکل کام ہے جس کے لئے تین سال تک انتظار کیا جائے۔ بیسیوں گاؤدیوں کی خوشامد کی جائے سات سمندر پار جا کر فرنگیوں کی کتابیں لائی جائیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ قسم جناب امیر کی۔ اگر وقت پڑے تو یہ بندۂ ناچیز۔ ہفت اقلیم کا قانون ایک رات میں بنا دے اور ایسا بنائے کہ اس کی ٹکر تو ٹکر۔ اگر اس کا پاسنگ بھی امریکہ و روس میں نکل آئے تو بیس جوتے اور حقے کا پانی۔

اس وقت مرزا صاحب حکومتِ پاکستان کی نالائقی پر غصے سے کانپ رہے تھے۔ چہرہ سرخ تھا۔ واقعی انہیں پہلی مرتبہ علم ہوا تھا کہ دستورِ اساسی اب تک نہیں بنا۔ آئی تاؤ کے عالم میں دوات قلم لے، کاغذ کھینچ۔ مملکت کا پورا قانون بنا ڈالا اور انصاف سے نہ گذروں گا۔ حقیقت ہے۔ یہ ساری مہم پندرہ منٹ میں سر ہوئی اور لیجئے۔ وہ کام جسے ہماری کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی عرف مجلسِ دستور ساز اگست ۱۹۴۷ سے ستمبر ۱۹۵۰ تک تین بلکہ سوا تین سال میں نہ کر سکی، اسے اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے نے پندرہ... توبہ... صرف ساڑھے بارہ منٹ میں کر دکھایا۔ اس قانون کا خاکہ بلکہ خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ پاکستان کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے ارکینِ محترم۔ اپنا دماغ حکومت کا روپیہ اور قوم کا وقت خراب کرنے کے بجائے مرزا صاحب کا مرتبہ و مصنفہ دستورِ اساسی۔ بے کم و کاست۔ حرف بحرف۔ شوشہ بہ شوشہ اور نقطہ بہ نقطہ مملکت خداداد پاکستان میں رائج کر دیں گے۔

من نہ گویم کہ ایں آں مکن
مصلحت بیں و کار آساں کن

---

[1] لیاقت وزارت کے اچھوت وزیر

امابعد۔ قانون کا منشا ازروئے اخلاقِ محسنی و گلستانِ سعدیؒ صرف یہ ہے کہ حکومت کا نظام اور رعیّت کا کام خوش اسلوبی اور اچھے ڈھنگ سے چلتا ہے۔ بندے نے کتب معتبرہ میں پڑھا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا آئین اور دستور حکومت حکیم بزرجمہر نے وضع کیا تھا۔ یہ قانون اب صفحۂ ارض پر موجود نہیں ہے تاہم حق سبحانہ تعالیٰ نے جن آنکھوں کو بصیرت کی دولت اور جن دماغوں کو بصارت کی سعادت عطا فرمائی ہے، وہ اس دستور کے مندرجات سے بخوبی واقف ہیں۔ علمائے دستور کے خیال کے مطابق دنیا میں اس وقت تین قسم کے دساتیر رائج ہیں:

(الف) شاہ شطرنج

(ب) بالک راج

(ج) چوپٹ راج

اول الذکر کی مثال۔ فرنگی کی مملکت میں نظر آتی ہے کہ ہز امپیریل مجسٹی سب کچھ ہیں اور کچھ نہیں۔

ہر چند کہیں ہے کہ نہیں ہے

آئین نامۂ فرنگستان میں لکھا ہے کہ شاہ والا جاہ اگر چاہیں تو نہ صرف سارے وزیروں کو بیک قلم برخواست کر دیں بلکہ ناراض ہوں تو مرغا بنا کر کھڑا کر دیں۔ لیکن عمل درآمد یہ ہے کہ وزیر اور امیر ہی حاکم و مختار ہیں، خود بدولت کاغذوں پر دستخط فرمانے کے گنہ گار ہیں۔ ایں جانب کے علم میں آیا ہے کہ بعض اتفاقات آسمانی سے اب تک پاکستان پر انہیں "شاہ بے تاج و کلاہ" اور "سلطان بے فرمان" کا سایہ ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اس افواہ میں کہاں تک صداقت ہے؟ لیکن اگر یہ سچ ہے کہ تو قسم کلام مجید کی بندے نے اس ملک سے ہجرت کی اور چلا طرف تبت کے۔ جہاں کا بادشاہ اگرچہ گوشہ نشین ہے تاہم صاحبِ تاج و نگیں ہے۔ کم سے کم ایسا گیا گذرا تو نہیں کہ اپنے کو کسی دوسرے ملک کے بے اختیار بادشاہ کا مقلد گردانے اور اپنی سلطنت کو اس کی دولتِ مشترکہ کا جزو مانے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

نظامِ حکومت کی دوسری قسم ہے بالک راج "جس کی بہترین مثال ہمارے پڑوس میں نظر آتی ہے۔ ہمارے پڑوس میں جو پرہار پرش راج پاٹ کے کرتا دھرتا ہیں، انکی ذہنیت پر بچکانہ رنگ چڑھا ہوا ہے۔ ابھی روٹھے ابھی مَنے۔ اس قسم کی حکومتیں بظاہر توڑی ضدی لگتی ہیں۔ لیکن انکو آسانی کے ساتھ کھلونے دے کر بہلایا جاسکتا ہے۔ بندہ۔ پنڈت نہرو کا دل سے قدر دان ہے۔ درحقیقت انکے گھرانے سے ایک جانب کے تعلقات بھائی بندی کے ہیں۔ قبلہ والد ماجد جب بھی (یادش بخیر) لکھنؤ سے الٰہ آباد جاتے تھے آنجہانی پنڈت موتی لال نہرو کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ ہائے۔ کیا۔ بادشاہ مزاج آدمی واقع ہوئے تھے۔ پنڈت موتی لال نہرو بھی۔ وہ کلّہ ٹھلّہ۔ وہ ڈیل ڈول۔ وہ تن و توش۔ جامہ زیب ایسے کہ فرنگی کوٹ پتلون یا مغلئی انگرکھا۔ جو کپڑا بدن پر آگیا۔ سج گیا۔

سج گئی قامتِ جاناں پہ قبائے ہر رنگ

جامہ زیبی بھی عجب جامۂ زیبائی ہے

اور کھلانے پلانے والے ایسے کہ برسات کا موسم ہے تو آنند بھون کے برآمدے میں جابجا ناندیں رکھی ہیں اور ان میں لبالب آم بھرے ہوئے ہیں۔ موتی چور، کافوری، زعفرانی لطیف علی والا۔ حنائی۔ حلوہ۔ شاہ پسند۔ لنگڑا، فجری، طوطا پری، جامن، مینا پھل غرض کہاں تک گناؤں آموں کی قسمیں؟ پنڈت جی خود ململی دھوتی باندھے برآمدے میں ٹہل رہے ہیں۔ بھادوں ساون برس رہے ہیں اور ہر آنے جانے والے کی تواضع ہو رہی ہے کہ کھاؤ۔ بھائی آم کھاؤ۔

جاڑے آئے تو امرودوں کی بہار آگئی۔ وہ وہ شکر پارہ امرود کہ سبحان اللہ۔ چھلکا برائے نام۔ گودا شیریں اور لالہ فام اتنا میٹھا کہ آدمی منہ مارے تو ہونٹ بند ہو جائیں۔ اور پھر جناب گرمی میں خربوزوں، تربوزوں کی فصل۔ تربوز اور خربوزے بھی ایسے جیسے ہاڑ کے گ۔۔ بھیلیاں!

ن۔ تو کیا کہہ رہا تھا۔

نیاز مند : جی بالک راج کا ذکر تھا۔

مرزا صاحب : جزاک اللہ، تو عرض یہ ہے کہ بندہ ۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا نیاز مند ہے۔ قسم چھوٹے حضرت کی ۔ وہ چاہے مانیں یا نہ مانیں۔ سنا ہے بڑے آدمی ہو گئے ہیں۔ مگر یہ عم نصیب جب تک زندہ ہے، انہیں بھنیجا ہی کہے گا اور بھتیجا ہی سمجھے گا۔ بھارت سرکار کتنے ہی پروٹسٹ کیوں نہ کرے اور چاہے اس مسئلے پر وزیر الدولہ وزیر الممالک بہادر کو اسٹر ڈومینن کانفرنس ہی کیوں نہ طلب کرنی پڑے؟ خیر تو حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارے پنڈت نہرو کا راج ہے بالک راج ! کبھی من گئے، کبھی بگڑ گئے ۔ کبھی یہ پیار محبت کہ لیاقت علی خاں جو دلی مہمان گئے تو آنکھیں بچھا دیں ۔ دیدہ دل فرش راہ کر دیئے ۔ رات دن راز و نیاز ۔ صبح شام میل ملاقات اور کبھی یہ ہٹ اور ضد کہ "بھائی لیاقت"، بلکہ "بھیا لیاقت" کے خطوط کا جواب تک نہ دارد ۔ آمدم بر سر مطلب ۔ دستور حکومت اور نظام مملکت کی تیسری قسم کیا بتائی تھی اس جانب نے ؟ ہاں یاد آیا ۔ تیسری قسم ہے "چوپٹ راج"۔ مثال کہاں تلاش کروں؟ اچھا امریکہ اور روس کی مثال لے لیجئے ۔ سنا گیا ہے یہ دونوں دنیا کے بہت بڑے ملک ہیں ۔ بلکہ دنیا میں یہ دو ہی ملک ہیں، باقی تو سب دم چھلّے اور چر کٹے ہیں ۔ روس اور امریکہ میں جس قسم کا نظام حکومت قائم ہے، اس کو "چوپٹ راج" کہتے ہیں ۔ یعنی کہنے کو تو آئین بھی ہے قانون بھی ہے، کونسل بھی ہے کانگریس بھی ہے ۔ کیبنٹ بھی ہے، ووٹ بھی ہے ۔ الیکشن بھی برپا ہوتا ہے، لیکن یہ صرف دکھاوے کے پردے اور مداری کے تماشے ہیں ۔ حکمرانی کی قوت اور جہاں بانی کی باگ ڈور صرف دو آدمیوں کے ہاتھ میں ہے ۔ ایک کا نام ہے .... توبہ .... ذہن سے اتر گیا ... اماں وہ کامریڈ ... اول ہونہہ... اسٹالین اور دوسرے بزرگ ٹرومین ۔

ان دونوں بزرگوں سے بندہ متعارف نہیں ۔ سنا ہے کہ اوّل الذکر یعنی کامریڈ اسٹالین بڑے منہ پھٹ واقع ہوتے ہیں، کوئی بے رکا بولا اور انہوں نے کان پکڑا، رہے مسٹر ٹرومین صدر امریکہ تو بظاہر بڑے سیدھے سادے بڑے بھولے بھالے اور بڑے مسکین لگتے ہیں، مگر ....

تجھے تیرے ہم راز کم جانتے ہیں
ترے دل میں کیا ہے یہ ہم جانتے ہیں

تو گزارش ۔ اس ننگِ مخلوقات کی یہ ہے کہ از روئے تحقیق علمائے دستور و آئین دنیا میں دستورِ مملکت کی یہی صرف تین قسمیں ہیں ۔ شاہ شطرنج ۔ بالک راج اور چوپٹ راج ۔ اب سوال یہ ہے کہ پاکستان کے دستور کی نوعیت کیا ہو؟ آیا ۔ ہم اپنے ملک میں فرنگیوں کا قانون رائج کریں یا جاپانیوں کا؟ یا امریکہ و روس کے قانون پر ہاتھ صاف کریں ۔ بے شک اگر ہم ایرا غیرا نتھو خیرا قسم کے لوگ ہوتے اور ہماری قوم میں قبلہ ابوالحسن تاناشاہ ۔ اعلحضرت محمد شاہ رنگیلے اور حضرت جانِ عالم واجد علی شاہ جیسے سلاطین زمانہ اور شاہانِ یگانہ نہ پیدا ہوئے ہوتے تو ہم سوچ سکتے تھے کہ بھئی ۔ اس نئی حکومت کو چلانے کے لئے قاعدے اور ضابطے اور آئین کہاں سے لائیں؟ مگر اس کا کیا علاج کہ ہم شامت زدوں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوتے ہیں ۔ ہمارے بزرگوں نے حکومت کے جو قوانین اجرا کئے تھے ۔ آخر کس بنا پر یاروں نے انہیں "تقویمِ پارینہ" قرار دے دیا ۔ کیا سچ مچ کسی شخص کا یہ خیال ہے کہ پاکستان کو کسی نئے آئین کی ضرورت ہے ۔ بندے کا گمان تو یہ ہے کہ ہماری حکومت نے ازراہِ غریب پروری "مجلس دستور ساز" کے نام سے ایک کھڑاگ کھڑا کر دیا ہے ۔ سال میں دو بار پچاس پچپن بھلے مانس سرکاری خرچ پر کراچی آتے ہیں ۔ عالی شان ہوٹلوں اور سرکاری مہمان سراؤں میں ٹھہرتے ہیں ۔ دن بھر اسمبلی چیمبر اور رات کسی کلب میں بسر کر کے اس شہر بینو سواد کی تفریح کا لطف اٹھاتے ہیں اور سینکڑوں روپے بھتے تصنیف فرما لیتے ہیں اور اس کے بعد مولوی تمیز الدین خاں صدرِ عالی قدر کے جان و مال اور عمر و اقبال کو دعائیں دیتے ہوئے ٹھنڈے ٹھنڈے گھروں کو سدھار جاتے ہیں ۔ آخر یہ تماشا کب تک؟

قصہ مختصر ۔ اس راندۂ درگاہ کا خیال یہ ہے کہ پاکستان کا دستور اساسی سرے سے ہونا ہی نہیں چاہیئے ۔ اجی ایک بادشاہ ہو باقی رعایا ۔ بادشاہ بنا دیا ۔ گویا قانون بنا دیا ۔ آخر یہ مقولہ بھی تو دانش مندوں ہی کا ہے کہ :

بادشاہ کی زباں قانون ہوتی ہے ۔

تو صاحب ۔ ہم تو اسی زبانی قانون یا قانونِ بے زبانی کے قائل ہیں، اب رہا یہ فوجداری اور ضابطہ دیوانی قسم کا قانون ۔ تو برادرم یہ سب فرنگیوں کے ڈھکوسلے ہیں ۔ ممکن ہے اس مقام پر کوئی احمق لقمہ دے کہ :

صاحب ! یہ پارلیمنٹ اور کونسل ؟ تو جواب یہ ہے کہ اکبر کے زمانے میں کون سی پارلیمنٹ تھی اور جہانگیر کو کس کونسل نے پریزیڈنٹ یا ہز مجسٹی نامزد کیا تھا ۔ اب کسی میں ہمت ہے تو کہے کہ اکبر و جہانگیر بادشاہ ہی نہ تھے ۔ اجی ! وہ تو ایسے ڈنکے کی چوٹ بادشاہ تھے کہ مزے سے اپنے تئیں خدا کا نائب اور خدا کا سایہ کہلواتے تھے اور پبلک سے سجدے کراتے تھے ہفت ہزار مخلوق میں سے کس نے ان پر اعتراض کیا کہ ہم کسی کے اعتراض سے ڈریں ۔ ان وجوہ کے پیش نظر بندے کی مستقل رائے یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ پاکستان کے عقلاء اپنا دماغ فضول کی آئین سازی میں صرف کریں ۔ بہتر یہ ہے کہ ایک شخص کو "اولی الامر" چن لیں اور اس کے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر کے چین کی بنسی بجائی جائے ۔

العاقل تکفیتہ الاشارہ

تنبیہ الغافلین

(مرزاجی کا انٹرویو)

قبلہ نواب اچھے مرزا صاحب کو پرچہ لگا کہ کامریڈ جے. وی. اسٹالین نے "پرودا" (روس کا مشہور روزنامہ) کے نامہ نگار کو ایک طویل انٹرویو دیا ہے۔ اور وہ دنیا بھر کے اخبارات نے بڑے نمایاں طریقے پر چھاپا ہے۔ مرزاجی اس خبر کو سن کر پھیل گئے کہ ہم بھی انٹرویو دیں گے آخر کیا سبب کہ ایں جانب اس حرکت کے مرتکب یا اس عزت کے مستحق نہ قرار پائیں۔ کیا ہم اسٹالین سے کسی طرح کم ہیں؟ واہ صاحب، یہ بات خوب رہی کہ کامریڈ اسٹالین تو ایک انٹرویو دے کر اتنی شاندار پبلسٹی مار دیں اور احقر الکونین اچھے مرزا لب سیے بیٹھا رہے۔ قسم کلام پاک کی۔ انٹرویو دیا جائے گا اور آج ہی، چنانچہ اسی روز نامہ نگارِ اخبار کو مرزائے موصوف نے ماحضر تناول فرمانے کی دعوت دے دی، اور اس ماحضر تناول فرمانے کے سلسلے میں ایک اچھا خاصا انٹرویو بھی اس غریب نامہ نگار کو ہضم کرنا پڑا۔ ذیل میں نامہ نگار مذکور کے سوالات اور مرزاجی کے جوابات بعنوان.. "تنبیہ الغافلین" پیش کئے جاتے ہیں۔

نامہ نگار: قبلہ! ہندوستان اور پاکستان کی کرنسی کی شرحِ تبادلہ کے سلسلے میں جناب کا خیال کیا ہے؟[1]

مرزاجی: شرح تبادلہ کیا برخوردار؟

نامہ نگار: حضورِ والا مطلب یہ ہے کہ حکومت ہند نے جو ہمارے سکے کی شرح تبادلہ

---

[1] اس زمانے میں دونوں ملکوں کے درمیان شرحِ تبادلہ کا جھگڑا چل رہا تھا۔

تسلیم کر لی ہے، تو اس سلسلے میں جناب کا نظریہ کیا ہے؟

مرزاجی: عزیزم۔ اب اس سلسلے میں میرے نظریے یا کسی کی خیال آرائی کا کیا دخل؟ یہ تو حالات کا قدرتی نتیجہ ہے۔ لالہ بھائی مطلب کے یار ہوتے ہیں۔ جب تک لالہ جی اپنی گدی پر جمے رہ سکتے تھے جمے رہے اور جب یہ دیکھا کہ گدی نیچے سے سرک رہی ہے جھٹ پاکستانی سکے کی قیمت تسلیم کر لی۔

نامہ نگار: اس فتح کا سہرا کس کے سر بندھنا چاہیئے؟

مرزاصاحب: آپ کا خیال کیا ہے؟

نامہ نگار: وزرائے کرام مُصر ہیں کہ ہمارے سر اور عوام کا مطالبہ ہے کہ ہمارے سر۔

مرزاصاحب: اتفاق سے دونوں غلط بیانی کر رہے ہیں۔ ارے بھئی ہم تو مجدّد اللہ ماہر اقتصادیات" واقع ہوتے ہیں۔ ہم سے پوچھو کہ اس جنگ زرگری میں پاکستان کو کامیابی کس طرح نصیب ہوئی؟۔

نامہ نگار: ارشاد۔

مرزاصاحب: ارشاد یہ ہے برخوردار کہ اس کامیابی کا واحد سبب بقول مولانا علم الدین... "ھٰذا من فضل ربی" ہے۔ ھٰذا من فضل ربی وہ تیر بہدف نسخہ ہے کہ سبحان اللہ آپ کی حکومت کی یہی تو ناعاقبت اندیشی بلکہ ناشکری ہے کہ جو کامیابیاں اس پاک پروردگار کے فضل و کرم سے نصیب ہوتی ہیں انہیں اپنی تدبیر و تدبّر کا ثمرہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ اپنی تدبیر و تدبّر کیا؟

ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں

سنو برخوردار۔ اگر پاکستان کے مستقبل کا انحصار صرف حکومت کی کارفرمائیوں اور جمہور کی دانائیوں پر ہوتا تو یہ بساط کبھی کی الٹ گئی ہوتی۔ وہ تو کہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ اس "سہ سالہ بچے" کی پرورش منظور ہے کہ پانی دودھ کا اثر اور مٹی اکسیر کی طاقت بخشتی ہے۔ اب جناب آپ سنتے جاتے اپنی حکومت کے کارنامے۔ جھوٹ بولوں تو... کان پکڑ... لاحول ولا قوۃ... یعنی فوراً تصحیح کر دینا۔ اس حکومت میں اہل کمال

کی تو گویا قدر ہی نہیں۔ آپ کے اچھے مرزا کو پاکستان آئے ہوئے ساڑھے تین بلکہ پونے چار سال ہو چکے ہیں لیکن از ناظم نظامت کراچی تا بہ وزارت مآب۔ کسی بندۂ خدا کو توفیق نہ ہوئی کہ آ کر مزاج پرسی کرتا۔ یہ لوگ اس طرح مدہوش ہو کر کام کرتے ہیں کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ "اچھے مرزا" نامی کوئی بدنصیب پاکستان میں موجود ہے۔ ادھر اپنا حال یہ کہ کتنی مرتبہ ان لوگوں کو فی سبیل اللہ ایسے چٹکلے بتلائے جا چکے ہیں کہ چٹکی بجاتے نہ جانے کتنے مسائل حل ہو گئے ہوتے جی ہاں۔ مثالیں عرض کرتا چلوں گا، اتنا گا ودی نہیں کہ "بادہوائی" باتیں کروں۔ مثالیں سنیئے۔ آج دنیا میں تیسری جنگ کا شور مچا ہوا ہے اور نہ جانے کس وقت اسٹالین وٹرومین میں کہ ماشاء اللہ دونوں بیشۂ شجاعت کے شیر اور عرصۂ پیکار کے دلیر واقع ہوئے ہیں۔ ایک ایک پالی اور دو دو ہاتھ ہو جائیں قسم جناب امیرؑ کی۔ اس ننگ مخلوق کو پہلے سے اس جنگ کا اندازہ بلکہ اندیشہ تھا اور اسی لئے بندے نے آج نہیں۔ ایک سال قبل خان لیاقت علی خاں صاحب کو صلاح دی تھی کہ خاں صاحب! بہادر وہ ہے کہ وقت سے پہلے کمربستہ ہو جائے۔ اگر آپ چاہتے ہیں اور ظاہر ہے، چاہتے ہیں کہ پاکستانی فوج ہر اعتبار سے دنیا میں بے مثل و یکتا ہو جائے، تو اس بیکار کی لفٹ رائٹ لفٹ رائٹ کو چھوڑ کر اسے "فنون سپہ گری" سکھلایئے۔ بانک، بنوٹ، پٹہ، تیغ زنی، ناوک فگنی، قدر اندازی، شہسواری اور کشتی گیری میں طاق کیجئے۔ یہ ہیں وہ صفات جو بہادروں کی آن اور سپاہیوں کی جان ہوا کرتی ہیں۔ مگر پاکستانی فوج کو سکھایا کیا جا رہا ہے؟ مارچ، ہالٹ اور اٹینشن! لاحول ولاقوۃ، کہاں میدان داری۔ کہاں یہ زنانہ کرتب؟ قسم عباس علمدار کی۔ سپاہی بننے کا سلیقہ تک اس قوم کو نہیں آتا۔ اور بندے کی سنیں تو جھنیا بیگم کی ایک ایک گولی فوجیوں کا راشن مقرر کر دیں۔ پھر آپ دیکھیں کہ ہمارے غازی ماشاء اللہ، کیا کیا رنگ دکھلاتے ہیں۔ اماں! یہ تو وہ "معجون فلک سیر" ہے کہ اگر طوطے کو ذرا سی چٹا دو تو حکیم بو علی سینا کی طرح حکمت و دانش کے موتی لٹانے لگے۔ مگر جناب یہاں حکمت و دانش کی بات سنتا کون ہے؟

نامہ نگار: پنجاب کے انتخابات کا قضیہ تو سن لیا ہوگا آپ نے؟

مرزاجی: سن لیا۔ چہ معنی دارد۔ یعنی بندہ بھی کوئی ایرا غیرا نتھو خیرا ہے کہ فقط سننے سنانے

پر اکتفا کرے۔ برخوردار! احقر تو اس بساطِ جنگ پر، فرزیں ہو یا پیادہ، سب کی چالیں گن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ شاطرانِ سیاست کیا داؤ کر رہے ہیں۔ مگر واہ ری حکومتِ پاکستان۔ قربان جائیے اس کاہلی، بلکہ قسم قرآن مجید کی، اس گھامڑپن کے کہ پنجاب میں سب کچھ ہو گیا۔ مگر آپ جانتے ہیں رہنمائی کی درخواست تو در کنار، مشورہ تک تو بول نہ کیا، کیا کروں؟ آپ کی حکومت نے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال رکھا ہے۔ اگر بندہ اس وقت لاہور میں ہوتا تو معرکہ آرائی کا ڈھنگ اور صف بندی کا رنگ دکھلاتا، یہ ممدوٹ اور سہروردی[1] قسم رب العزت کی۔ ایک جھڑپ کے بھی تو نہیں۔ جینو کا ایک ملاوا بھرپور ہاتھ، پورے معرکے کا فیصلہ کر دینے کے لئے کافی ہے۔ بندہ نواز۔ احقر کو تو سردار عبدالرب نشتر[2] پر حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی عملداری میں یہ ہنگامے پال کیوں رکھے ہیں؟ کیا ضرورت ہے الیکشن بازیوں اور جعل سازیوں کی؟ جسے چاہیں اپنے حضور طلب فرما کر وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ، دیوانی کا مرتبہ۔ وزیرالدولہ کا خطاب اور ہفت ہزاری کا منصب مع مالائے مروارید و سرپیچ مرصع و عماری فیل و ماہی مراتب و نقارہ و نوبت عطا فرما کر شہر میں ڈھونڈی پٹوا دیں کہ آئندہ سے جو شخص ووٹوں اور الیکشنوں کا نام لے گا اسے شہر بدر کر دیا جائے گا۔ کڑک دھم، کڑک دھم کڑک دھم۔ لیجئے جناب۔ اگر ایک لمحے میں قلم وئے پنجاب میں امن بحال نہ ہو جاتے تو اچھے مرزا خطِ غلامی لکھ دے۔ اماں یہ حکمرانی ایک نعمت ہے خداداد اور یہ جہانبانی۔ ایک سلیقہ ہے مادر زاد، یہ جوہر کالجوں میں پڑھ کر اور یونیورسٹی کی ڈگریاں لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ وہ پاک پروردگار شاہد ہے کہ اس کمترین زمانہ، بندۂ آثم کے گھرانے میں سات پشت تک خان خانانی اور عمدۃ الملکی ہوا کی ہے۔ نانا، اس ننگِ روزگار کے نواب سعادت علی خاں، بادشاہِ اودھ کے پیش کار اور دادا، اس عاجز کے اللہ بخشے مرزا جعفر ز ٹلی مرحوم خاتم السلاطین اودھ نواب واجد علی شاہ جانِ عالم مرحوم کی سرکار میں بڑا اقتدار رکھتے تھے۔ بھائی، ہم نے وزارت کا دودھ پی کر پرورش پائی ہے۔ انگریزی عہد میں بھی اس ناچیز کا مرتبہ، صاحبانِ ذیشان

---

[1] نواب افتخار حسین ممدوٹ مرحوم اور حسین شہید سہروردی مرحوم حزب اختلاف کے نمایاں لیڈروں میں شامل تھے۔

[2] سردار عبدالرب نشتر، اس زمانے میں گورنر پنجاب تھے۔

کی نگاہوں میں کسی سے کم نہ تھا۔ مسٹن صاحب[1] بہادر۔ ایجرٹن صاحب بہادر، لاٹوش صاحب بہادر کے درباروں میں ہمیشہ ساتویں صف میں آپ کے اچھے مرزا نے کرسی پائی۔ دو تین مرتبہ نواب لیفٹننٹ گورنر بہادر کی خدمت میں نذر پیش کرنے کی سعادت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ بلکہ ایک مرتبہ تو نواب لیفٹننٹ گورنر بہادر نے بکمال بندہ نوازی ہاتھ ملا کر زبان مبارک سے فرمایا کہ:

مرزا صاحب۔ موسم بہت اچھا۔ بہت اچھا

اللہ اللہ کیا کیا۔ رعایا پرور اور شریف نواز حاکم تھے (ٹھنڈی سانس بھر کر) اب وہ زمانہ کہاں؟

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

نامہ نگار: مرزا صاحب یہ تو فرمائیے کہ مہاجرین کی نسبت جناب کا خیال کیا ہے؟

مرزا صاحب: کون سے مہاجرین؟ برخوردار مہاجرین کی تو کئی قسمیں اور متعدد درجہ بندیاں ہیں۔ قسم اوّل کے مہاجرین تو وہ ہیں جو سیدھے ہوائی جہاز سے کراچی آئے اور آتے ہی وزارت کی کرسی پر براجمان ہو گئے۔ کرسیٔ وزارت نہ ملی تو مسلم لیگ کے عہدۂ صدارت پر ہاتھ مار دیا۔ یا کوئی مِل الاٹ کرا کے بیٹھ گئے۔ قسم دوم مہاجرین کی، وہ کہ ہوائی جہاز کی بلند پروازی ممکن نہ تھی تو ریل کے فرسٹ کلاس یا سکنڈ کلاس میں سفر کیا اور پاکستان پہنچ کر یا لیڈری کی دکان سجالی یا پرمٹوں اور چور بازاری کی تجارت جمالی۔ تیسری قسم کے مہاجرین میں ہم تم نجیب الطرفین شریف خاندانی قسم کے افراد شامل ہیں کہ ہجرت کے بعد نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے!

نکلے تھے جستجوئے بت خانۂ و صنم میں
بھٹکے تو ہم بھی نکلے جا کر کہاں حرم میں

اور چوتھی قسم مہاجرین کی بقول وزیر[2] مہاجرین وہ۔ ہے جو لالو کھیت، قائد آباد اور گولیمار میں ڈیرے ڈالے پڑی ہے۔ آپ کس قسم کے مہاجرین کی نسبت احقر کے خیالات معلوم

---

[1] یو پی کے ایک سابق گورنر سر جیمس مسٹن

[2] یہ بھی یو پی کے ایک گورنر تھے۔

کرنا چاہتے ہیں۔

نامہ نگار: مہاجر آبادکاری کی نسبت۔

مرزا صاحب: تو سنیئے بندہ نواز، اول الذکر مہاجرین کی آبادکاری میں تو ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ اب رہ گئے ہم تم یا لالو کھیت کے شہیدانِ وفا۔ تو ان بدحالوں کی بحالی کے بارے میں ایں جانب کا ایمان یہ ہے کہ:

موت ہی ہے اب علاجِ دردِ ہجرت ہو تو ہو
غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

نامہ نگار: ایک سوال اور یا استاد۔

مرزا صاحب: ارشاد!

نامہ نگار: ہمارے زعمائے کرام اور قائدانِ عظام بار بار اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں قائدِ اعظم کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے اور خود انکے ارشادات کو مشعلِ راہ نہیں بناتے، کیا یہ تضاد...

مرزا صاحب: "قطع کلام معاف۔ برخوردار عقل کے ناخن لو، کیوں اپنے رہنماؤں کو بدنام کرتے ہو۔ ان غریبوں نے کب قائدِ اعظم کے ارشادات کو مشعلِ راہ نہیں بنایا۔ اماں۔ قائدِ اعظم کے ارشادات کیا تھے؟ اتحاد۔ تنظیم۔ اور اعتقاد۔ اب دیکھ لو کہ ان تینوں ہدایات پر انہوں نے کس خوبصورتی سے عمل کیا ہے۔ اتحاد کا عالم یہ ہے کہ اگر ایک لیڈر کا بھتیجا کسی عہدے کو چھوڑتا ہے تو دوسرا فوراً اس کا جانشین قرار پا جاتا ہے، ایک داماد عہدۂ سفارت پر جاتا ہے تو دوسرا وزارت کی جگہ پاتا ہے۔ غرض ان لیڈروں اور لیڈر خاندانوں کے اتحاد کا عالم وہ ہے کہ جلّ وصلّ۔ تنظیم کی صورت کا اندازہ بھی اسی اتحاد سے ہو سکتا ہے۔ اب رہا اعتقاد تو ان میں سے ہر شخص کو اپنے شاندار مستقبل پر پورا پورا اعتقاد ہے۔ پھر بھی دنیا ہے کہ ان غریبوں پر قائدِ اعظم کے احکام اور ارشادات سے روگردانی کا الزام لگانے میں نہیں چوکتی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

لغات پاکستان

مرزا صاحب کا بیان ہے کہ ہماری نسل میں "اردوئے معلیٰ" کا علم روز بروز اس طرح مفقود ہوتا چلا جاتا ہے جس طرح پچھلی نسلیں رفتہ رفتہ فارسی عربی کے علوم سے کوری ہوگئی تھیں۔ اگر قوم کے اس علمی زوال کو نہ روکا گیا تو پھر پاکستان کا خدا حافظ! مرزائے موصوف۔ اردو کے زوال وانحطاط پر بے حد دل گرفتہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ از سید ہاشم رضا تا بہ خواجہ شہاب الدین و از خواجہ شہاب الدین تا بہ لیاقت علی خاں۔ گھروں میں ایسی پیاری اردو بولتے ہیں کہ آدمی سنے اور سر دُھنے۔ مگر جب گھر سے نکل کر دفتر میں آتے ہیں تو بدنصیب اردو کو اس طرح بھول جاتے ہیں گویا یہ کوئی ایسی بولی ہے جو ٹمبکٹو یا ہانگ کانگ میں بولی جاتی ہے بقول مرزا صاحب قبلہ۔ یہ بے اعتنائی اردو کے حق میں سخت زبوں ہے۔ نظر بہ وجوہ بالا۔ انہوں نے ایک نیا اردو لغت تیار کیا ہے جس کے چند اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں پڑھئے اور ثوابِ دارین حاصل کیجئے۔

الف: وہ حرف جس کو معشوق کے قد سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ بیت بازی کا پہلا حرف اگر زبر کے ساتھ بولا جائے تو گھوڑے کے بدکنے کے معنی میں آتا ہے جیسے گھوڑا الف ہوگیا۔ بعض بدتمیز اس حرف سے ننگے پن کی تصویر بھی کھینچتے ہیں۔ مثلاً الف ننگا... اردو ریڈروں میں اس حرف کا عرف انڈا تجویز کیا گیا ہے۔ الف سے انڈا قسم کلام پاک کی۔ بیہودگی کی انتہا ہوگئی ہے۔ یعنی ذرا غور کیجئے۔ کہاں الف کہاں انڈا؟ ابجد کی بسم اللہ اسی حرفِ مبارک سے ہوتی ہے۔ کسی زمانے میں مکتب کا محاورہ تھا۔ الف خالی ب کے

نیچے ایک نقطہ۔ اس بدنصیب نے خلیفہ جعفر حسین مرحوم سے یہی پڑھا تھا۔ مگر آج کل کسی پرائمری اسکول میں الف کو خالی نہیں پڑھایا جاتا۔ بلکہ انڈے سے تشبیہ دے کر سمجھایا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انڈا خالی نہیں ہوتا۔ اگر خالی ہو تو گندہ کہلاتے اور چورا ہے پر توڑ دیا جاتے۔ الف کھینچا بھی جاتا ہے اور جب خان عبدالغفار خاں کے قد وقامت کو پہنچ جاتا ہے تو الف ممدوہ تخلص اختیار کرلیتا ہے۔ جب الف ہمارے خواجہ شہاب الدین کا ہم قد ہو کر رہ جاتا ہے تو اسے الف مقصورہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ فارسی زبان میں الف کشیدن مشہور محاورہ ہے۔ الف کشیدن کہتے ہیں سوگ منانے اور ماتم میں بیٹھنے کو۔ لیکن اُردو میں الف کی نسبت بیٹھنے کا کوئی تصور موجود نہیں۔ بلکہ جہاں یہ حضرت پائے جائیں گے کھڑے نظر آئیں گے۔
اللہ۔ اس معبودِ برحق کا اسم ذات ہے جسے مسلمانوں نے "ہو" کے بجائے "ہوا" بنا رکھا ہے۔ کراچی میں اس نام کا ایک ہوٹل اور اسی نام کی ایک دوکان پائی جاتی ہے۔ بھولے بھالے مسلمانوں نے اس اسمِ مبارک کے ساتھ ایک ہندی لفظ ضم کر کے اللہ تعالیٰ کو "اللہ میاں" بنا دیا ہے۔ یہی وہ مبارک نام ہے جسے طرح طرح بدنام کیا جاتا ہے۔ منبر و محراب سے لے کر سیاسی اجتماعات اور ادبی محافل سے لے کر قومی مجالس تک۔ اس نام کے ہزاروں استعمالات ہیں۔ اگر اس نام کے شروع میں عبد[1] کا اضافہ کر دیا جائے تو کشمیر کے ایک مشہور لیڈر کا نام بن جاتا ہے۔ اگر یہ اسم مبارک دو مرتبہ استعمال کیا جاتے تو حیرت، تعریف اور تعجب کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے مثلاً

اللہ اللہ اس بتِ کافر کی شان

اس اسم کے ساتھ نگہبان کا اضافہ کر کے خدا حافظ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ مرحوم چچا غالب فرماتے ہیں ؎

وقتِ رخصت مجھے اللہ نگہباں نہ کہو
کیا کروں گا اگر اللہ نگہباں نہ ہوا

کبھی کبھی اس موقع پر "اللہ بیلی" کا کلمہ بھی زبان پر آجاتا ہے جھوٹی قسم کھانے

---

[1] شیخ عبداللہ۔ جو شروع سے متنازعہ شخصیت لئے ہیں۔

والوں کا سب سے بڑا سہارا توبہ توبہ ۔ یہی اسم متقدس ہے ۔

آٹا: سفید ریت

اُلوانٹی کھٹوانٹی جس کو لے کر لوگ پڑ رہا کرتے تھے ۔ مشہور محاورہ ہے کہ فلاں صاحب اُلوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑ رہے ۔

فرہنگ شیخ چلی مرحوم میں درج ہے کہ اُلوانٹی کھٹوانٹی ایک تکیہ نما چیز ہے، جسے اگلے وقتوں کے لوگ غصے اور ناراضگی کی حالت میں سینے سے لگا کر سو رہا کرتے تھے ۔

اُلّے : وزیرِ اعظم پاکستان کا مبارک لقب

آٹھوں گانٹھ کمیت : اردو کا محاورہ ، ایک ممتاز پاکستانی قائد کی عرفیت ۔

آثارِ قدیمہ : چودھری خلیق الزماں صاحب کی عمر کے لوگ ۔ لغات حاجی بغلول رحمۃ اللہ علیہ میں تحریر ہے کہ آثارِ قدیمہ داڑھی کو کہتے ہیں واللہ اعلم ۔

اثر : کسی شخص پر بھوت پریت آجانا ، کہتے ہیں فلاں شخص پر اثر ہے بعض شعراء کا مشترکہ تخلص اور وہ چڑیا جیسے دعا نامی بلی سے چڑ ہے ۔ نالہ کرنے والے ہمیشہ اسی نسخہ کیمیا کی تلاش میں رہتے ہیں ۔

اجارہ : مسلم لیگ

اجناس : بلیک مارکیٹ کا تحفہ

اجلاس : جلسہ، عدالت ، دنگل، کشتی ، ایک مرض جو لیڈروں کو علی العموم لاحق ہوتا ہے ۔ بیکاری کا مشغلہ ۔ قاموس ملّا دوپیازہ میں مرقوم ہے کہ جلاس ایک وبا کو کہتے ہیں جو طاعون کی طرح کبھی کبھی شہروں میں نمودار ہوا کرتی ہے ۔

اَجی : ارے میاں کا چھوٹا بھائی ۔ طرزِ تخاطب کے طور پر استعمال ہوتا ہے مثلاً

اجی حضرت ۔ یہ کیا فرماتے ہو

اُجالا : کسی حسینہ کے چہرے سے نقاب سرکا دینا ۔

نقابِ رخ یہ سرکائی ہے کس نے

زمانے میں اُجالا ہو رہا ہے

ابّا: امّاں کے شوہر نامدار اور دادا جان کے برخوردار سعادت آثار، کسی زمانے میں اس نام کی بڑی قدر و قیمت تھی جن بزرگوار کا تخلص ابّا ہوا کرتا تھا، انکو ازراہِ عقیدت قبلہ و کعبہ کہا جاتا، ان کے ہاتھ سے پٹنا باعثِ سعادت اور ان کی جوتیاں سر پر رکھنا سبب ازدیادِ دولت سمجھا جاتا، مگر یہ سب باتیں زمانۂ جہالت کی ہیں۔ تہذیب و تمدّن کے اس دورِ زریں میں ابّا کا لفظ دقیانوسی قرار پاکر ٹکسال باہر ہوگیا ہے، اس کے بجائے ڈیڈی اور پاپا کے لفظ استعمال کئے جاتے ہیں البتہ بعض پرانے خاندانوں میں پردے کی طرح ہنوز اس کا رواج باقی ہے۔ ہماری زبان میں یہ خطاب بالفظ چار طرح استعمال ہوتا ہے یا ہوتا تھا۔ سادگی مدِ نظر ہو، فقط ابّا مثلاً۔

مرے ابّا بڑے اچھے ہیں ابّا
مگر دیتے نہیں وہ ایک حبّا

پیار میں کبھی ابّا جی، کبھی ابّا جان، کبھی ابّا میاں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہ سب عزیزمن عہدِ قدیم کی باتیں ہیں۔ آج کل یہ لفظ اپنی تمام عظمتیں ضائع کر چکا ہے، پہلے تو ابّا نامی بزرگ کے سامنے بولنا اور لب کھولنا تک خلافِ ادب تھا۔ لیکن اب تو ابّا جی کے سامنے بیٹھ کر "گرل فرینڈ" سے ہنسی مذاق تک کیا جاتا ہے اور صاحبزادے صاحب اپنی محبوبہ کا تعارف اس طرح اپنے والد بزرگوار سے فرماتے ہیں کہ:

" ہلو ڈیڈی.... یہ ہیں مس شیریں میرے ساتھ کالج میں پڑھتی ہیں اور شیریں۔ یہ ہیں میرے فادر (یعنی ابّا جان) سینٹ جان کالج کے گریجویٹ اور آج کل ریاضی کے پروفیسر ہیں۔ ڈیڈی کسی روز مس شیریں کے ساتھ کلب چلیئے۔

(واللہ مانتا ہوں کیا سعادت مندی ہے)

امّاں: کبھی ان کے پاؤں کے نیچے جنّت ہوا کرتی تھی۔ بقول مرزا دبیر (برد اللہ مضجعہ اللہ ان کی گور کو ٹھنڈا رکھے۔

زیرِ قدم والدہ فردوس بریں ہے

فی الحال ان کے زیرِ قدم صرف اونچی ایڑی کا جوتا ہوتا ہے، اماں کی تصغیرامّی

بھی سے ہے اور ماں بھی۔ اونچے طبقے میں علی العموم امّی۔ متوسط طبقے میں اماں اور نچلے طبقے میں فقط ماں یا "ما" بولا جاتا ہے۔ اس کے اشتقاق بہت کثیر اور عادتاً الوردد ہیں مثلاً امیّا۔ ماما۔ ماجی۔ امّی جان وغیرہ وغیرہ۔ میّا مرنا۔ اُردو کا مشہور محاورہ ہے جو کبھی بطور بددعا، کبھی بطور اظہار واقعہ استعمال ہوتا ہے۔ ماما بھی ماں سے ہی مشتق ہے۔ اصل میں ماما بوڑھی عورت (پیرزال) کو کہنے لگے ہیں اس نام پر سب سے بڑا ظلم بھارت میں ڈھایا گیا ہے۔ ماں کی ہندی ہے ماتا۔ بھارتی لوگ اپنے دیس کو بھارت ماتا کہتے ہی تھے۔ ان ظالموں نے ہر دیوی کو ماتا یا ماں کہنا شروع کر دیا ــــ مثلاً چیچک کی دیوی کو، سیتلا ماتا اور کالی دیوی کو "کالی ماتا" کہا جاتا ہے ایک اور ستم مغربی تہذیب نے ڈھایا یہ کہ "ہوم لینڈ" کو ماں کہتے ہیں۔ مادرِ وطن ــــ غرض اس دلنواز نام ـــ "ماں" کی مٹی جس طرح اس زمانے میں پلید کی گئی ہے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ امّاں بمعنی مادر، بہ تشدیدِ میم استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اگر الف پر زبر ہو اور م۔ الف۔ ن۔ ساکن تو "اَماں" بنتا ہے جو ارے میاں کا مخفف ہے یہ ایک کلمۂ خطابیہ ہے جو عموماً بزرگ اپنے چھوٹوں کے لئے اور ہم سِن آپس میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً:

اَماں تم نے لیاقت علی خاں کا بیان پڑھا۔

آپا: جس کی انگریزی سسٹر، ہندی دیدی، فارسی ہمشیرہ اور عربی اُخت ہے۔ مسیحی ہسپتالوں میں کام کرنے والی لڑکیوں کو عموماً "سسٹر" کہا جاتا ہے، اس کی تقلید میں سنٹرل جناح ہسپتال کراچی کی بعض نرسوں نے بھی اپنے تئیں آپا کہلوانا شروع کر دیا ہے۔

مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

آپا دھاپی۔ نفسا نفسی، کشمکش، گڑبڑ، آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہونا اگر آپ کو آپا دھاپی صحیح کیفیت معلوم کرنا ہے تو پاکستان مسلم لیگ کی تنظیم پر نظر ڈال لیجئے۔

اپاہج: پہلے مفلوج و معذور کو کہتے تھے، آجکل وزیر کو کہتے ہیں۔

اُپ منتری: نائب وزیر اعظم، بھارت میں سورگباشی سردار پٹیل کو کہتے تھے، آج کل اس نام کا کوئی جانور اس جنگل میں نہیں پایا جاتا۔

تقویمِ سالِ نو

کیا ٹھکانہ ہے نواب اچھے مرزا کی قابلیتِ خداداد کا۔ یہ شخص بخدا مجموعۂ کمالات ہے اس عہد میں۔ طب میں یہ ملکہ کہ جالینوس نسخہ لکھوائے۔ فلسفے میں یہ دخل کہ ارسطو کان پکڑے۔ علم و ادب میں یہ مذاق کہ فردوسی و سعدی زانوئے تلمذ تہ کریں۔ سونے پر سہاگہ۔ فنونِ سپہ گری میں طاق۔ پہلوانی اور کشتی گیری میں شہرۂ آفاق۔ نجوم و رمل کی طرف آئیے تو سبحان اللہ۔ کیا بات ہے؟ بوعلی سینا اور ابوریحان برونی ہر سال سبق پڑھیں اور ایک ایک نکتے پر سر دھنیں۔ یہ تو اوصاف اور ہر طرف مطلع صاف مرزا صاحب گا ہے گا ہے خود ہی زمانے کی ناقدردانی پر ٹھنڈی سانس بھرا کرتے ہیں۔ اس عالم میں استاد ذوق کا یہ شعر ان کی زبان پر ہوتا ہے۔

قسمت ہی سے مجبور ہوں اے ذوق وگرنہ
ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

ہاں۔ تو عرض کرنا یہ تھا کہ مرزا جی "نجوم" کے فن میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے سال کے سال نئی تقویم (زائچہ) بناتے ہیں اور جس معاملے کے تحت جو حکم لگاتے ہیں ممکن نہیں کہ اس سے سرمو انحراف ہو جائے۔ چنانچہ موصوف نے سالِ رواں کا بھی زائچہ بنایا ہے اور قومی نیز بین الاقوامی مسائل و معاملات کے متعلق وہ وہ تیر بہدف پیشین گوئیاں کی ہیں کہ اے سبحان اللہ و ماشاء اللہ۔ مرزا صاحب سالِ رواں کو بے حد اہم سال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس سال سے بیسویں صدی کا نصف آخر شروع ہوتا ہے

اور "بیسویں صدی" ختم نہ ہونے پائے گی کہ مرزاجی کے خیال میں قیامت آجائے گی۔ اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ان کے خیالِ مبارک میں دنیا کی عمر پینتالیس یا پچاس سال اور رہ گئی ہے۔ ان تمام نکتوں پر نظر کر کے مرزا صاحب قبلہ نے تقویم سال نو تیار کی ہے۔

وھو ھذا

امابعد۔ واضح ہو کہ نجوم فلکی اور بروج آسمانی کے مطالعے سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ حکمراں اس سال کا "مریخ خونخوار" ہے۔ جو نئے زمانے کی مناسبت کے پیش نظر گھوڑے کے بجائے ٹینک پر سوار اور تلوار کے بدلے "ایٹم بم" ہاتھوں میں لئے ٹھیک گیارہ گھنٹے، بائیس گھڑی اور چوبیس دقیقے پر جلوہ گر ہوا ہے۔ رنگ اس کا سرخ ہے جو اشارہ ہے اس طرف کہ وہ "سرخا" واقع ہوا ہے اور کمیونسٹوں کی طرف مائل ہے غذا اس کی پھل اور دودھ کے بجائے سرخ شراب اور خون ہے۔ تقویم فلک دیکھنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس سال کے سلطان "مریخ خونخوار" کا جھکاؤ شمال کی طرف اور پھیلاؤ جنوب مشرق کی طرف ہے۔ مطلب یہ کہ اس کا تخت گاہ روس کے علاقوں میں قائم ہوا ہے اور اس کی دست درازی سے جنوبی مشرقی ایشیا کے ملک ہند چینی۔ ملایا اور سیام وغیرہ کو زبردست خطرہ ہے۔

مریخ کے اثرات

چونکہ فرماں روا اس سال کا مریخ ہے۔ لہٰذا عامۃ الناس کے مزاجوں پر سوداویت اور خون کا غلبہ رہے گا۔ خونی بیماریاں، بواسیر، نکسیر، خونی پیچش، پھوڑے پھنسیاں، داد، زخم، دانے اور اس قسم کے دوسرے امراض جن کا تعلق خون سے ہے، عام طور پر ظاہر ہوں گے۔ سرپھٹول اور فوجداریاں بکثرت واقع ہوں گی اور طرح طرح سے "خون" ہوں گے عشاق کو "خونِ تمنا" کی شکایت ہوگی۔ شعرا کہیں گے کہ لیجیے "مضمون کا خون" ہو گیا۔ غضل بیدوں، ارمانوں اور مضمونوں کے خون کے ساتھ ہزاروں بے گناہوں کا خون بھی بہے گا اور دور دراز ممالک کی سرزمینیں انسانوں کے خون سے لہولہان

ہوجائیں گی، تمام سال شفق کا رنگ اس قدر سرخ رہے گا کہ دیکھ کر لوگوں کے دل لہولہان ہوجائیں گے، کئی جگہ خون کی بارش ہوگی اور "خوں فشانی" کا یہ دور دورہ کہ لوگ پان کھا کر پیک تھوکیں گے تو یہ شعر بھی ساتھ تھوکنا پڑے گا کہ :

خون تھوکوں وصل کے ارمان میں
یہ کنایہ ہے تمہارے پان میں

محبت کی نگاہوں سے خون ٹپکے گا۔ سرخ پوش حسینوں کو "خونی" کہہ کر پکارا جائے گا اور دنیا کے کئی سرکردہ رہنما بواسیر خونی میں مبتلا ہوجائیں گے اس سال موسم بہار لالہ و گل کی کثرت کے سبب "خونم خون" نظر آئے گا، سرخ رنگ کی قدر بڑھے گی اور لوگوں کے خیالات پر سرخ روس کا اثر غالب محسوس ہوگا سرخ لباس عام طور پر نظر آئے گا اور حسینوں کی لال اوڑھنیاں اور ٹول اور سرخ ریشم کی شلواریں وہ قیامت ڈھائیں گی کہ لاتعداد ارمانوں کا خون بہائیں گی۔ اگرچہ یہ نظارے دیکھ کر زُہد بزرگوں کی آنکھوں سے خون ٹپکے گا لیکن اس کا نہ کوئی خون بہا دے گا نہ سزا نہ جزا۔

شہیدانِ وفا کا خوں بہا کیا؟

شاخوں پر صرف سرخ رنگ کے پھول کھلیں گے اور کوہساروں پر صرف "لالے" شگفتہ و خنداں ملیں گے۔ میکدوں میں صہبائے ناب کی ارزانی اور جام و ساغر میں ہر طرف شرابِ ارغوانی ہوگی۔ جن کے ناموں پر لال رنگ کا اثر غالب ہوگا، مثلاً ملک لال خاں۔ احمر حسین، مس حمراء، مرزا سرخ پوش۔ للّو، للوانی یا مسٹر ریڈ (RED) وغیرہ۔ اس سال یہی لوگ مریخ کے اثر سے سرخ رو رہیں گے۔ مختصر یہ کہ سلطان فلک مریخ کی نسبت سے ۱۹۵۱ء سال خونیں ہے جس کا رنگ سرخ اور مزاج "خونی" ہے۔ سلطان فلک کے گلے میں لعل و یاقوت کی مالا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرخ پوشی اس کے گلے کا ہار ہے۔ ہاتھ کی انگلیوں میں عقیقِ سرخ کے چھلے ہیں اور لباس سرتاپا ارغوانی رنگ کا ہے، گویا۔

سرخ پوشے لب بام نظر می آید

پاکستان

پاکستان کے لئے یہ سال بے حد اہم ہے، اس سال ہمارے ملک میں بکثرت خون ہوں گے۔ مثلاً مسلم لیگ کے خلاف سال گزشتہ جس قدر جماعتیں قائم ہوئی تھیں وہ تقریباً اپنے ہاتھوں خودکشی کرلیں گی ورنہ عوام خود اُن کی قیادت کا خون کردیں گے۔ مخالف لیڈروں میں جناب حسین شہید سہروردی بہت پُرانے بھی ہیں سیانے بھی۔ لیکن ان کی قسمت میں اس سال سیاسی شہادت لکھی ہے۔ شہادت کا یہ رتبہ کسی دشمن کے ہاتھ سے نہیں کسی دوست کے ہاتھ سے نصیب ہوگا۔ یعنی پنجاب کے نواب ممدوٹ ہی جناح لیگ کی کند چھری عوامی لیگ کے گلے پر پھیر کر شہید صاحب کو اسم با مسمیٰ ثابت کردیں گے۔ مریخ کے اثرات نواب ممدوٹ کے زائچے میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ مثلاً ان کا دامن جو پہلے سے ہی قومی اتحاد کے خون سے لتھڑا ہوا ہے۔ اس سال اپنی اُمنگوں کے خون سے اور لتھڑ جائے گا۔ اب رہے میاں افتخار الدین۔ میاں صاحب خیالات کے اعتبار سے "نیم سرخہ" واقع ہوتے ہیں۔ کاش وہ سو فی صدی سُرخ ہوتے تو اس سال مریخ کے اثرات سے کافی فائدہ اٹھاتے۔ لیکن یہ نیم دروں نیم بروں کی پالیسی سخت خطرناک ہے۔ اندیشہ ہے کہ ان کے تذبذب، نا پختگی اور نیم دروں نیم بروں پالیسی کے سبب "مریخ دیوتا" ان سے خفا نہ ہوجائے اور ان کی قیادت

جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

کی مصداق بن کر نہ رہ جائے۔ سال رواں مسلم لیگ کے لئے بھی چنداں خوشگوار نہیں۔ وزیراعظم خان لیاقت علی خاں اگرچہ مسلم لیگ کے صدر گرامی قدر ہیں، لیکن خود مسلم لیگ، نظریات و رجحانات کے اعتبار سے اس قدر بوڑھی ہوچکی ہے کہ جب تک اس کی رگوں میں نئے افکار کا "جواں خون" نہ داخل کیا جائے گا اس کا اعادۂ شباب مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس سال پاکستان بھر میں مریخ کے اثرات نمایاں

نظر آئیں گے۔ گھروں میں میاں بیوی کے درمیان "خانہ جنگی" عام بات ہوگی عورتیں آزادی پر مچلیں گی۔ مرد ان کی زنجیروں کو اور مضبوط و گرانبار کرنا چاہیں گے۔ نتیجہ ہوگا کلمچپ سر پھٹول اور تو تو میں میں! یہ خانگی جنگ "خانہ جنگی" کا روپ دھار کر تمام سٹیٹوں میں سرایت کر جائے گی۔ عجب نہیں کہ بیگم لیاقت علی خاں کی کمان میں "آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن" عرف اپوا کی مسلح فوجیں پردے کے خلاف عام حملہ شروع کر دیں اور قریب قریب ہر محاذ پر دشمن یعنی پردہ و برقع کے ٹکڑے اڑا دیں۔ اس جنگ میں لہراتے ہوئے دوپٹے "جیٹ طیاروں" کا کام دیں گے اور پہلے ہی عام حملے میں قدامت کی بوسیدہ گڑھی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ یہ نازک اندام مگر سنگدل فوج جو حضرت آدم سے لے کر تا قائد اعظم گوریلا طرز جنگ میں مشاق اور دھوکہ دے کر مارنے میں شہرہ آفاق ہے۔ اب برسر میدان مردودں کو للکارے گی اور وہ وہ دھاوے مارے گی کہ قدامت پسند لوگ۔

یا شمس تبریز۔ شاباش خیز۔ بگیر و بستیز

پکار اٹھیں گے۔ عہد نو کی "فاتح عورت" تہذیب جدید کا پرچم بڑی شان سے لہرائے گی اور پاکستان ہر اعتبار سے فرنگستان دکھائی دینے لگے گا۔ مریخ کے اثرات سے اس سال جنگ جوئی میں خاصا اضافہ ہوگا۔ عہدوں کی جنگ، کرسیوں کی جنگ، لیڈری کی جنگ، عقائد کی جنگ، خیالات کی جنگ۔ غرض ہر رنگ کی جنگ کی امنگ دلوں میں بڑھ جائے گی۔ اس سال کے اہم ترین معرکوں میں پنجاب کا انتخاب بھی یادگار رہے گا اور اگرچہ اس لڑائی میں مسلم لیگ کو کامل فتح نصیب ہوگی مگر سیاسی چھٹ بھیئے بھی جم کر وہ مقابلہ کریں گے کہ مسلم لیگ کو دن میں تارے اور تاروں میں قیامت کے نظارے نظر آئیں گے۔

بھارت

ہمارے پڑوسی بھارت کے لئے یہ سال بے حد منحوس ہے۔ مریخ بھارت کے

وسط میں موت اور بربادیاں برساتا نظر آتا ہے، اس کی آنکھیں خونِ کبوتر کی طرح سرخ اور اس کا چہرہ جوشِ غضب سے تمتمایا ہوا ہے۔ بھارت میں سرخوں کا زور، بھارت کی سرحدوں پر سرخ چینیوں کی نقل و حرکت اور نیپال و ناگالینڈ میں خوں فشانی۔ یہ سب مریخ کے اثرات ہیں۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی مریخ بھارتیوں سے بیزار ہے اور اس پر سنیچر سوار ہے لیکن چونکہ بھارت کے بہت سے لوگ منگل دیوتا کے پجاری اور لالہ منگل سین کی قسم کے بہت سے دیش بھگت بھارت میں موجود ہیں اس لئے یہ امکان کم ہے کہ مریخ بھارت کو کوئی خاص نقصان پہنچا سکے۔ البتہ نہرو سرکار کے لئے خطرہ ضرور ہے۔ کیونکہ مریخ دیوتا سیاسی عقائد کے لحاظ سے کمیونسٹ واقع ہوا ہے۔

قربِ قیامت

اس سال کی تقویم پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اٹیم بم، آگ، بارود اور خون کے طوفان میں پوری انسانیت ڈوب جانے والی ہے۔ چین اور کوریا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس ہولناک ڈرامے کی ریہرسل ہے جو کبھی نہ کبھی بین الاقوامی اسٹیج پر کھیلا جائے گا اس سال سے بیسویں صدی کا نصف آخر شروع ہوتا ہے اور بندے نے نانی اماں مرحوم سے سنا ہے کہ بیسویں صدی میں قیامت برپا ہوگی۔ کتبِ قدیم میں قربِ قیامت کی جو علامتیں درج کی گئی ہیں۔ وہ سب کی سب نمودار ہوگئی ہیں۔ یعنی عورتیں برقعہ اتار پھینکیں گی۔ مردننگِ وطن ثابت ہوں گے۔ غلہ گراں ہو جائے گا۔ موت ارزاں۔ پانی شراب کے مول بکے گا، شراب پانی کے نرخ پر دستیاب ہوگی۔ انسان ہوا پر اڑیں گے مصنوعی ہوا میں سانس لیں گے اور بناوٹی زندگی بسر کریں گے۔ عورت گھر سے باہر نکل پڑے گی اور مرغی ڈربے سے، غلہ راشن سے ملے گا اور کفن پرمٹ سے! یاجوج ماجوج دیوار توڑ کر پھاند پڑیں گے اور خدا کے پرستار سر پھوڑ کر نکل جائیں گے۔ کانا دجال خارشی گدھے پر سوار ہو کر خروج کرے گا۔ الغرض یہ ہیں قربِ قیامت کی نشانیاں اور آنکھ کھول کر دیکھئے تو ان میں سے اکثر پوری ہو چکی ہیں یا پوری ہونے والی ہیں۔

اعمال وداعیہ

مختصر یہ کہ سالِ رواں تباہیوں کا نقیب، ہلاکتوں کا پیامبر، موت کا پیامی اور تباہیوں کا ترجمان ہے۔ جو لوگ اس کی ہلاکتوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ بکثرت اعمالِ صالحہ بجا لائیں۔ جس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ کسی متشرع جماعت میں بھرتی ہو کر صالحیت کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیں، جہاں تک ادعیہ کا تعلق ہے تو اس سال کی بہترین دعا یہ ہے کہ الٰہی! پاکستان کا دستور مرتب ہو جائے۔ اگر مومنین پاکستان کے دستور اساسی کی تیاری کے لئے دعا کریں اور اس کے ساتھ حسبِ توفیق قراردادِ مقاصد کا ایک چلہ بھی کھینچ جائیں تو ان شاء اللہ بہت سی آفتوں سے محفوظ رہیں گے۔ بہر حال یہ ہیں سال رواں کے بارے میں اس احقر کی پیشین گوئیاں۔

العیب عند اللہ
والعیب عند الناس

خطبۂ کپکپیہ

بتقریبِ موتمر عالمِ اسلامی پاکستان

اس خبر کی تصدیق ہو چکی ہے کہ نواب چھپے مرزا صاحب موتمر عالم اسلامیہ کے جلسوں میں مدعو نہیں کئے گئے تھے اسے آپ خواہ موتمر عالم اسلامیہ کے گھامڑپن سے تعبیر کیجئے خواہ عالم اسلام کی بدنصیبی سمجھ لیجئے۔ بہرحال امر واقعہ یہی ہے کہ موتمر کے کارکنوں نے مرزائے ممدوح کی خدمت میں کوئی دعوت نامہ ارسال نہیں فرمایا تو پھر سوال یہ ہے کہ موصوف موتمر کے جلسے میں کیسے جا پہنچے؟ اور پہنچے بھی اس شان سے کہ عین لیاقت علی خاں کی تقریر کے دوران میں مرزا صاحب قبلہ کرسیاں پھلانگتے، کہنیاں مارتے، والنٹیروں سے لڑتے بھڑتے اسٹیج پر وارد بلکہ دارد اور کمال یہ کیا اس اللہ کے بندے نے اسٹیج پر قدم رکھتے ہی گلا پھاڑ کر مبلغ ایک راس "نعرۂ تکبیر" بلند کر دیا، لیاقت علی خاں اپنی تقریر پڑھنے میں کچھ دقت و تکلف محسوس کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرف سے کوئی مردِ خدا تکبیر کا نعرہ بلند کرے تو انہیں دم لینے کا موقع مل جائے۔ مرزا صاحب کے نعرے نے "دمِ عیسوی" کا کام کیا اور موتمر اسلامیہ کا پنڈال تکبیر کے نعروں سے گونجنے لگا۔ اس کارِ نمایاں کو انجام دینے کے بعد مرزا صاحب نے نظر دوڑائی کہ کہیں جسم ٹیکنے اور ٹیک لگانے کی جگہ مل جائے تو دیکھا کہ اسٹیج کی تمام کرسیاں لبریز ہیں صرف خان لیاقت علی خاں کی کرسی خالی تھی۔ جناب وزارت مآب مائیکروفون کے سامنے کھڑے تھے۔ مرزا جی نے ناچار اسی کرسی پر چھاپہ مارنا چاہا اور کرسی کو نیچے سرکانے کی کوشش کی۔ مفتیٔ اعظم الحاج امین الحسینی کرسیٔ صدارت پر رونق افروز تھے، ان کی نظر پڑ گئی حیران کہ یہ مردِ جری بہ ایں شوریدہ سری

کون ہے؟ کہ وزیرِاعظم پاکستان کی کرسی کو ہتھیانے کی کوشش کر رہا ہے دو ایک والنٹیروں نے بھی دیکھ لیا اور مرزاجی کو بمشکل اس اقدام سے باز رکھا گیا۔ خیر صاحب، یہ ہے داستان، مرزا صاحب کے اجلاس موتمر میں تشریف لے جانے کی، بعد کو پتہ چلا کہ مرزا صاحب اجلاس میں خالی ہاتھ نہ گئے تھے بلکہ اپنا خطبہ بھی لکھ کر لے گئے تھے اور چونکہ مرزا صاحب کو یقین تھا کہ اس خطبۂ فصیح وبلیغ کو سن کر حاضرین کے جسموں میں تھرتھری پڑ جائے گی، حاضرین پر کپکپاہٹ طاری ہو جائے گی۔ بنابریں موصوف نے اس خطبے کا نام تجویز کیا تھا۔

خطبۂ کپکپیہ

یعنی وہ خطبہ جسے سن کر کپکپی طاری ہو جائے۔ اس خطبے میں مرزا صاحب قبلہ نے عالم اسلام کے اتحاد و اخوت اور دنیائے مسلمین کی بیداری و تنظیم کی اہم تجاویز پیش کی ہیں مگر افسوس کہ کارکنان موتمر کے پھوہڑپن کے سبب یہ معرکتہ الآرا خطبہ موتمر کے اجلاس میں نہ پیش کیا جا سکا۔ ہم خطبۂ مذکور کو مرزائے ممدوح کے شکریے کے ساتھ درج ذیل کرتے ہیں کہ مسلمانان پاکستان تو کم سے کم اس کے فیوض و برکات سے محروم نہ رہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد۔ شروع کرتا ہوں، ساتھ اللہ نام کے کہ ہے رحمت کرنے والا اور بہت مہربان اور رحیم! فرماتا ہے خدائے بزرگ بیچ اپنے کلام کے مخاطب کر کے مومنوں کو کہ اے ایمان والو،، تم سب اللہ کے رسے کو مضبوطی سے پکڑ لو اور مت کھنڈو (کہ کھنڈنے اور بکھرنے سے تم کمزور ہو جاؤ گے) تو اے برادران اسلامی۔ یہ ہے ارشاد قدرت۔۔۔ ہم مسلمانوں کے لئے! اب آج جب کہ ہم سب ایک جگہ جمع ہوئے ہیں اور سر جوڑ کر بیٹھے ہیں۔ اے حضرات! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اللہ کی وہ رسّی یا رسّا کہاں ہے؟ جسے مضبوطی سے پکڑ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہیں بتا سکتے۔ نہ بتا سکو گے۔ پس معلوم ہو کہ وہ رسّا درحقیقت رسّا نہیں ہے، بلکہ یہ استعارہ ہے، رشتۂ اخوت و سلسلۂ مودت کا یعنی مفہوم حضرت باری جل جلالہٗ یہ ہے کہ اے مسلمانو، اخوت کے ایک رشتے میں منسلک ہو جاؤ، پروئے جاؤ کہ بکھر نہ سکو، افسوس صد ہزار افسوس کہ ہم مسلمان

نہ صرف اسلامی بصیرت بلکہ عام عقل و فہم سے بھی اس قدر بیگانہ ہو چکے ہیں کہ "حبل المتین" کا ترجمہ اللہ کی رسّی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کا ترجمہ رشتہ اخوت ہونا چاہیئے اور اگر کوئی صاحب اس اجلاس میں بندے کی عربی دانی بلکہ تفقہ فی القرآن پر اعتراض کریں تو قسم قرآن مجید کی بندہ یہیں اور اسی جگہ مناظرے کو تیار ہے

ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گوئے

ہے کسی میں ہمت کہ اچھے مرزا کے چیلنج کو قبول کر کے میدان بحث و جدل میں قدم دھرے ملّایانِ دین تو بہت جھگڑالو ہوتے ہیں اور الحمد اللہ کہ اس اجلاس عظمت اساس میں بہت سے صاحبانِ جبّہ و دستار نظر آ رہے ہیں۔ بندہ مکرّر مبارز طلبی کرتا ہے کہ جس کسی کو علم و زبان عربی میں مقابلہ و مجادلہ کرنا ہو تو وہ ہاتھ اٹھا دے قسم جناب امیر کی اسی پنڈال میں نمٹیارا ہو جائے گا۔ تاکہ عالم اسلام کو پتہ چل سکے کہ پاکستان میں اچھے مرزا جیسا جیّد عالم و فاضل اور علّامہ لغت عرب موجود ہے۔

ایہا الاخوان۔ یعنی اے برادران دین!

اس جانب کو بہ تحقیق معلوم ہوا ہے کہ موتمر اسلامیہ کے کارکنوں نے آپ کی وہ خاطر تواضع نہیں کی جس کے آپ از روئے مرتبہ مستحق تھے۔ بندہ اپنی طرف سے اور ملتِ پاکستان کی جانب سے اس فروگذاشت کی معافی چاہتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ:

گر بر سر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

حقیقت یہ ہے کہ ہم زبان سے اسلام اسلام پکارتے ہیں اور اسلامی تمدّن اور اسلامی روایات کے اعادے کے ہزاروں دعوے کرتے ہیں، مگر جب عمل کا وقت آتا ہے تو ٹائیں ٹائیں فش فش!!!

اب بھلا غور کیجیئے، اس پنڈال میں جتنے لوگ جمع ہیں۔ وہ سب بحمد اللہ مسلمانوں کے نمائندے اور اسلامی ملکوں کے رہنما ہیں اب اگر کوئی نامسلم آ کر دیکھے تو یہی کہے گا کہ یہ سب فرنگستانی بیٹھے ہوئے ہیں کیونکہ نہ ہمارے چہروں پر داڑھی کا سائن بورڈ لگا ہوا ہے اور

نہ لباس سے اسلامیت ٹپکتی ہے۔ سر پر فرنگی ٹوپی، گلے میں ٹائی، جسم پر کوٹ اور پاؤں میں ڈاسن کا بوٹ۔ سبحان اللہ! کیا اسلام ہے اور کیا مسلمانی؟

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد

وائے گر در پس امروز بود فردائے

حضرات!

اسلاف کی تہذیب و تمدن کے نظارے ان بدنصیب آنکھوں نے دیکھے ہیں... جنھیں اب یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے کہ اسلام حاضر ہے اور مسلمانی غائب۔ اللہ اللہ۔ کیا زمانہ تھا اور کیا لوگ؟ بندہ تفصیل میں نہ پڑے گا کہ طوالتِ کلام حماقت ہے۔ صرف چند بزرگوں کی مثال پیش کرے گا۔ جو اپنی وضعداری کے لحاظ سے پوری قوم کے لئے باعثِ فخر تھے، اللہ اللہ شیخ چھبن مرحوم مرتے مرتے مر گئے۔ اپنے بیٹے سے بات نہ کی کیونکہ ایک دفعہ انگریزی ٹوپی اس کے سر پر دیکھ لی تھی جب آخری وقت آیا تو دوستوں اور عزیزوں نے اصرار کیا کہ "بنے میاں" کا قصور معاف کر دیجئے۔

شیخ جی نے بعالم نزع فرمایا کہ اسی کم بخت کی نافرمانی کے سبب تو مر رہا ہوں۔ اسی کو معاف کر دوں؟ قسم پروردگار کی کبھی معاف نہ کروں گا تا اینکہ میدانِ قیامت گرم ہو اور داورِ حشر عرشِ عدالت پر متمکن ہو کر میرے اور اس کے درمیان انصاف فرمائے۔

عزیزانِ محترم! یہ تھی وہ وضعداری جس پر ہمارے بزرگوں کو ناز اور دیکھنے والوں کو فخر تھا۔ کیا مجال کہ کوئی باپ دادا کی راہ سے بال بھر سرک جائے۔ اب انہی شیخ چھبن مرحوم کو لیجئے۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ عبادت گزار ایسے کہ کیسی ہی قیامت کی گرمی کیوں نہ ہو، روزے کبھی قضا نہ ہوتے تھے۔ جیٹھ بیساکھ میں جب چیل انڈا چھوڑتی، جنت آشیانی اپنے معمولات نہ چھوڑتے تھے۔ صبح کلام پاک کا ایک پارہ پڑھ کر بٹیر بازی کی تیاری میں لگتے، ہائے کیا جوانمرد بٹیر تھا۔ "رستم" نام اور شیر جیسا کلیجہ، جب بھی پالی میں اترا، حریف کے جبڑے چیر کر دنگل سے نکلا۔ شیخ صاحب کو "رستم" پر فخر تھا۔ فرمایا کرتے تھے جنت آشیانی شیخ صاحب کہ بڑے بڑے

رجواڑوں میں اس کی چوٹ نہیں ہے۔ مرحوم اپنے بٹیر سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے۔ اور ایمان کی بات یہ ہے کہ وہ تھا بھی اسی قابل۔ ایکبار نواب اعتماد الدولہ کے دیوان خانے میں پالی جمی ہوئی تھی۔ شیخ چھٹن نے بھی اپنے "رستم" کو چھوڑا اور اس نے وہ وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ دیکھنے والوں نے دانتوں تلے انگلی دبالی۔ جب پالی ختم ہوئی تو نواب صاحب نے اپنے پیش دست کے ذریعے شیخ صاحب کو کہلوا بھیجا کہ اگر وہ رستم کو نذر کر دیں تو علاوہ دیگر انعام واکرام کے نقد پانچ ہزار روپیہ پیش کیا جائے گا۔ شیخ صاحب اس خاندان کے نمک پروردہ تھے۔ آنکھوں میں آنسو لا کر کہنے لگے کہ:

" اگر حضور میری جان طلب کریں تو کوئی عذر نہ ہوگا۔ مگر رستم مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے "

سبحان اللہ! کیا خودداری تھی، یہ تھیں اسلاف کی وہ روایات جن پر ہم ناز کر سکتے ہیں، شیخ صاحب مرحوم کا تعلق چندا رنڈی سے تھا۔ یہ رنڈی بھی شہر بھر میں لاجواب تھی۔ فن موسیقی کے علاوہ فن مجلس آرائی میں بے مثال اور ضلع جگت بولنے اور پھبتی کسنے اور بذلہ سنجی میں باکمال شیخ صاحب مرحوم کا تعلق مدتوں چندا سے رہا۔ آخر بربنائے تعلق دیرینہ اسے گھر میں ڈال لیا۔ دونوں مشرف بہ سعادتِ حج ہوئے۔

۹ — ۸

۳۱۲ / ۶-۲

بزرگو!

آپ اتنے حضرات یہاں تشریف فرما ہیں۔ مگر کیا ایک صاحب بھی دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے اوصاف سے متصف اور انکی خصوصیات سے آراستہ ہے۔ آپ میں سے کسی کو بھی بانک، بنوٹ، لیزا، مرغ بازی، بٹیر بازی، شطرنج، تاش، گنجفہ، چوسر اور پتنگ اڑانے کا تجربہ ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ پھر آپ کیا جانتے ہیں؟ انگریزی طریقے سے ڈانس، امریکی وضع کا بوشے ڈنرا اور فرنگی وضع سے رہنا سہنا۔ لاحول ولاقوۃ۔ اس پر یہ دعوے کہ ہم مسلمانوں کی عظمت کے وارث ہیں؟

وما علینا الا البلاغ المبین!

اچھے مرزا پارلیمنٹ میں

نواب اچھے مرزا! پچھلی گرمیوں میں بھی پارلیمنٹ کی سیر کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ لیکن اُس مرتبہ پولیس کے جوانوں سے کچھ ایسی جھڑپ ہوگئی کہ سیر کا سارا مزہ کرکرا ہوگیا اور مزاجی پایہ دست دگرے دست بدست دگرے!

زمانہ بر سر جنگ ست یا علیؑ مددے

کے نعرے مارتے پارلیمنٹ سے شاندار پسپائی پر مجبور ہوئے۔ البتہ اس بار طالع رسا تھا اور حالات سازگار! یعنی خود پارلیمنٹ کی طرف سے بقول مزاجی ان کی خدمت میں ایک عریضہ (یعنی پاس) موصول ہوا کہ :

اے سراپا ناز۔ قربانت شوم
باز آ۔ تا باز قربانت شوم

آیئے اور ضرور تشریف لایئے۔ پارلیمنٹ کا دعوت نامہ وصول کرکے موصوف عجب "چہ کنم" میں پڑ گئے اور آہ سرد بھر کر فرمانے لگے کہ :

ہائے۔ لکھنؤ! تجھے کہاں سے لاؤں

کیا ہوا حضت (نیازمند نے سوال کیا)

ہونا کیا بڑے کا سر۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ خاں خاناں خان لیاقت علی خاں خلد اللہ ملکہ وسلطانہ کے دربار دُربار سے طلبی ہوئی ہے اور بندے کے پاس موزوں لباس تک نہیں۔ کیا کروں اور کیسے جاؤں ؟

نیاز مند :- حضور کے توشے خانے میں کس چیز کی کمی ہے۔ سلی سلائی جامدانی کی اچکنیں۔ کمخواب اور بانات کی شیروانیاں مخملی صدریاں۔ نیم جامے مشروع کے پاجامے نہ سہی تو اعلیٰ درجے کے لٹھے کے چست ڈننگ پاجامے، غرض، خدا کے فضل سے سر کی پوشش سے لے کر زیر پائیوں تک ہر چیز موجود ہے، پھر کیا فکر ہے؟

مرزا صاحب :- آپ کسی اصطبل میں بندھے بھی ہیں (ذرا تیز لہجے ہیں) قسم کلام پاک کی۔ آپ کو یہ تک معلوم نہیں کہ سرکار دربار میں جانے کے لئے کس قسم کا جامہ زیب تن کرنا چاہیئے۔

نیاز مند :- مگر حضت۔ آپ کس دربار میں جا رہے ہیں کہ درباری پوشاک کی فکر کی جائے۔

مرزا صاحب :- تو جناب پارلیمنٹ کو کیا سمجھتے ہیں؟ بھٹیار خانہ، قمار گھر؟ فرنگیوں کا کلب؟ آخر اس بدنصیب کو یہ پتہ چلے کہ جناب کے خیال شریف میں پارلیمنٹ کس چڑیا گھر کا نام ہے؟

نیاز مند :- محض ایک محفل مباحثہ یا مجلسِ مشاورت۔

مرزا صاحب (آسمان کی طرف بحسرت دیکھ کر) الٰہی۔ جن بدنصیبوں کو تو نے دولتِ ایمان سے محروم رکھا ہے انہیں عقل تو الاٹ کی ہوتی (نیاز مند سے مخاطب ہو کر) میاں صاحبزادے! خدا کے لئے پرمٹ کا بندوبست کر کے ہندوستان کی طرف دفعان ہو جاؤ، تم جیسا "عقلِ کل"، تو وہی دیس میں ترقی کر سکتا ہے، پاکستان میں ایسے عقلا کی کہاں گنجائش؟ اے قربان! آپ کی سمجھ بوجھ کے۔ یعنی جناب فرماتے ہیں کہ پارلیمنٹ محض ایک مجلسِ مشاورت ہے۔ واللہ۔ مانتا ہوں۔ کیا نکتہ سنجی فرمائی ہے یعنی جہاں وزرائے والا تبار اور حکمرانِ ذی اقتدار، بصد وقار جلوہ بار ہوں۔ وہ بزم جناب کے خیالِ مبارک میں محض ایک مجلسِ مباحثہ اور محفل مشاورت ہوگی۔ عزیز القدر!

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اس عاجز نے کراچی کی دھوپ میں بال سفید نہیں کئے، جنابِ امیر کی قسم دیکھے

ہوں گے تو سودوسو دربار دیکھے ہوں گے۔ ملکہ وکٹوریہ کے ولی عہد ہیڈ ورڈ (ایڈورڈ) کا دربار ۱۹۱۱ء کا دلی دربار - نواب لیفٹننٹ گورنر بہادر کا دربار... اور نواب ین اودھ میں تو کوئی تقریب ایسی ہوتی ہی نہ تھی کہ اچھے مرزا بنفس نفیس وہاں موجود نہ ہوتا ہو۔ تمہارے سر کی قسم، ان محافل میں شرکت کرنا، اور امراء و وزراء کی نگاہوں میں اپنا وقار قائم رکھنا، ہنسی ٹھٹھہ بنا سند۔ مختصر یہ کہ مرزا صاحب کسی طرح یہ بات ماننے پر تیار نہ ہوئے کہ پارلیمنٹ میں درباری لباس کے بغیر داخلہ ممکن ہے چنانچہ انہوں نے بقول خود... امیر الامراء، خانخاناں خاں لیاقت علی خاں خلد اللہ ملکہ وسلطانہ کے دربار دُربار میں شرکت کی تیاریاں شروع کردیں اور جس صبح کو انہیں پارلیمنٹ جانا تھا۔ ٹھیک نو بجے سج سجا کر تیار ہو گئے۔ حلیۂ مبارک یہ تھا کہ سر پر سفید پگڑی۔ بر میں چھینٹ کا فرغل کمر میں کٹار، ہاتھ میں شمشیر آبدار، آنکھوں میں سُرمہ، بالوں میں تیل، لب پر سورہ فتح!

پوچھا۔ قبلہ سورہ فتح کی تلاوت کیوں؟

فرمایا کہ آج اتفاق سے سہ شنبہ (منگل) ہے اور سہ شنبے کا دن خصوصیت کے ساتھ سہ شنبے کے دن زوالِ آفتاب سے قبل کی گھڑیاں، حکام و وزراء سے ملاقات کے لئے پُر از خطر ہوا کرتی ہیں۔ مگر برخوردار، تم فکر نہ کرو، اچھے مرزا، انشاء اللہ ان مقدمات میں دھوکہ نہیں کھا سکتا، چنانچہ یہ عاجز سہ شنبہ کی نحوست ٹالنے کے لئے صبح سے اب تک آیۂ مبارکہ یا نار کونی برداً کی ۲۱ تسبیحیں پڑھ چکا ہے اور انشاء اللہ جب ہم دربارِ عظمت آثار میں قدم رکھیں گے تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ بفضلہ اس فقیر کو کس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے؟ اور کیا تعجب ہے! برخوردار کہ منصب و خطاب کا مستحق قرار پاجائے اور اسی وقت پیش گاہ وزارت عظمیٰ سے مسٹر محمد ایوب کھوڑو کے نام یہ فرمان قضا جریان اور منشور لامع النور شرف صدور لائے کہ اچھے مرزا کو لاڑکانے میں ایک معقول جاگیر، نسلاً بعد نسلاً و بطناً بعد بطناً یعنی پشت در پشت عطا کردو!

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

بھائی میں تمہیں سورۂ فتح کے خواص کیا بتاؤں۔ ابا جانی کا معمول تھا کہ از جینٹ صاحب بہادر تا بہ چھوٹے لاٹ صاحب جب بھی کسی حاکم وقت کے دربار میں جانا ہوتا سورۂ فتح کا ورد کرتے رہتے اور بخیریت واپسی پر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے۔ عزیزمن! یہ تو بہت بڑی سرکار ہے۔ یہاں سرخ روئی اور نیک نامی حاصل کرنے کے لئے اگر پورا ختم خواجگانِ چشت بھی کیا جائے تو کم ہے۔

یہی ذکر تھا کہ گھنٹے نے ٹن ٹن ٹن ساڑھے نو بجائے اور مرزا جی، یا علی مدد کہہ کر پارلیمنٹ چلنے کے لئے تیار ہوئے۔ چھوٹی بیگم نے آگے بڑھ کر داہنے بازو پر امام ضامن باندھا اور مرزا صاحب نے "رضینا بالقضایٰہ وتسلیماً لاامرہٗ (ہم اس کے حکم پر راضی ہیں اور اس کا فرمان بجالاتے ہیں) کہہ کر قدم اٹھایا۔ قصّہ مختصر۔ ٹھیک دس بجے حضور پر نور درباری لباس پہنے شمشیر برق نظیر پر ہاتھ رکھے سورۂ فتح کا ورد کرتے ہوئے مع اس نیازمند کے پارلیمنٹ کے صدر دروازے پر پہنچے۔ وہاں داخلے کے اجازت ناموں کی تصدیق ہو رہی تھی۔ ایک ہونق داروغہ نے چندھی آنکھوں پر زور ڈال کر پاس دیکھا۔ خدا خدا کر کے اس مرحلے سے فراغت پائی تو آگے قدم بڑھایا اور گیلری کے زینوں پر چڑھائی شروع ہوئی۔ مرزا جی آگے آگے اور بندہ پیچھے پیچھے۔ اب مرزا جی سورۂ فتح سے فراغت پا کر جوشن صغیر اور جوشن کبیر کی تلاوت فرما رہے تھے تاکہ شرّ اعدا سے محفوظ رہیں (خدا جانے انہیں ایوانِ پارلیمنٹ میں کن اعدائے ناہنجار سے خطرہ تھا) قصہ کوتاہ بہت سے زینے طے کر کے بالائی منزل پر پہنچے تو برآمدے کے نکڑ پر ایک سپرنٹنڈنٹ قسم کے مرد غبی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ان بزرگوار نے غالباً مرزا صاحب کی وضع کا انسان آج تک نہ دیکھا تھا۔ سر پر درباری پگڑی جسم پر فرغل، کمر میں پٹکا، پٹکے میں کٹار، ہاتھ میں شمشیر جوہر دار، حیران کہ محمد شاہی دور کے مرزا جعفر زٹلی کہاں سے آن ٹپکے؟... مرزا جی چاہتے ہی تھے کہ چھپ سے اندر قدم رکھیں کہ سپرنٹنڈنٹ نے وہیں منہ مارا۔

حضنت: یہ تلوار اور کٹار یہیں رکھتے جائیے۔

مزاجی (تاؤ کھا کر) کیوں رکھنے جائیں؟
سپرنٹنڈنٹ: پارلیمنٹ میں اس قسم کی کوئی چیز الاؤ ALLOW نہیں ہے۔
مزاجی: الاؤ کیا؟
سپرنٹنڈنٹ: آپ اندر کوئی چیز نہیں لے جا سکتے۔
مزاجی: سبب؟
سپرنٹنڈنٹ: پارلیمنٹ کا حفظ ادب
مزاجی: مگر ہمیں خود حضور پُرنور نے طلب فرمایا ہے (پاس دکھا کر) اور یہ ان کا حکم طلبی ہے۔
سپرنٹنڈنٹ: حضورِ پُرنور کون؟
مزاجی: اعلیٰ حضرت، قدر قدرت۔ سکندر صولت۔ دارا حشمت۔ بہرام شوکت۔ وارث عظمت نوشیروانی۔ صاحبقران ثانی، امیر الامراء خانِ دوراں۔ لیاقت علی خاں۔ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ (کڑک کر چمک کر)

دُر درج عظمت۔ گل باغ احساں۔ شہ ملک رفعت، مہ برج عرفاں۔
وزیر الممالک شہنشاہ دوراں لیاقت علی خان

سپرنٹنڈنٹ (زچ ہو کر) خیر آپ کسی کی دعوت پر ہی کیوں نہ تشریف لائے ہوں... از روئے قاعدہ آپ کو یہ ہتھیار باہر رکھنے پڑیں گے۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب کی دخل در معقولات سے مزاجی کا پارۂ غضب برابر اوپر چڑھ رہا تھا۔ نیاز مند نے سوچا کہ اگر اس وقت مزاجی کو ٹھنڈا نہ کیا گیا تو سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ضرور بر سرِ پارلیمنٹ کلنچ ہو جائے گی، اس لئے آہستہ سے مرزا صاحب کے کان میں کہا کہ:

حضت بعض درباروں میں خالی ہاتھ شرکت کا قاعدہ ہوتا ہے، اغلب ہے کہ یہاں بھی وہی ضابطہ رائج ہو۔

یہ نکتہ مزاجی کے دماغ میں جاگزیں ہو گیا۔ نیاز مند کا پیٹ تھپ تھپا کر فرمانے لگے کہ:

جزاک اللہ، دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ چشم بد دور!
چنانچہ مرزا صاحب نے کٹار مرصع اور تیغ ہلالی، سپرنٹنڈنٹ صاحب کے حوالے کی اور نیاز مند کے ہمقدم آیۂ کریمہ، طبتم فادخلوہا خالدین، پڑھ کر پارلیمنٹ کے بالائی برآمدے (گیلری) میں داخل ہوئے تو عجب سماں نظر آیا۔ چاروں طرف گول برآمدہ اور بیچ ایوان پارلیمنٹ مرزا صاحب اس منظر سے محظوظ ہوئے اور بے تکلف زنانہ گیلری میں گھس گئے۔ وہاں دو تین بیگمات بڑے اہتمام سے اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھی مسٹر غلام محمد وزیر خزانہ کی تقریر سن رہی تھیں کہ انہوں نے مرزا جی کو اس ہیئت کذائی اندر گھستے دیکھا۔ ان میں سے ایک عفیفہ ڈر کر چیخیں کہ :

" اوئی یہ کون مردوا ہے؟"

تمام لوگوں کی نگاہیں ادھر متوجہ ہوگئیں۔ سب حیران کہ بارالہا، یہ کون صاحب ہیں جو دیوان خانہ چھوڑ کر حرم سرا میں اپنی آبادکاری کا انتظام فرما رہے ہیں۔ میں تو سمجھا تھا کہ اب " فنون کٹائی چھٹائی " کے ماہرین یعنی پولیس کے اہل ڈنڈا میری اور مرزا جی کی مزاج پرسی فرمائیں گے۔ مگر خیریت گزری (رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت) پولیس انسپکٹر صاحب نے کر بکمال وقار پستول کمر میں لگائے گیلری میں ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ بڑی آہستگی سے مرزا جی سے کہا کہ قبلہ یہ زنانہ گیلری ہے۔

مرزا صاحب میں بڑا وصف انصاف پسندی کا ہے۔ چنانچہ دل میں اپنی خطا پر نادم ہو کر وہاں سے نکلے اور مردانہ گیلری میں آکر بیٹھ گئے۔ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ یہ تھی بھی بڑی ناشائستہ حرکت۔ بنابریں مرزا مارے شرم اور گھبراہٹ کے پسینے پسینے ہو رہے تھے ادھر وہ بیگمات بڑے لطیف قہقہوں سے ان کی بدحواسی کی داد دے رہی تھیں۔ خیر چند لمحے بعد مرزا جی کے حواس بر جا ہوئے تو جیب سے پانوں کی ڈبیہ طلوع ہوئی۔ چاہتے تھے کہ پان کے بیڑے سے کلہ گرم کریں کہ انسپکٹر صاحب نے اچانک بازو پکڑ لیا۔

کیا کرتے ہو، یہاں پان کھانے کی اجازت نہیں
مرزا جی :۔ کیا خوب، ایک آپ ہیں کہ پان کھانے سے منع فرما رہے ہیں اور ایک

اکبر و جہانگیر تھے کہ اپنے درباروں میں مصاحبین و امراء کو پانوں کے بیڑے بطور سرفرازی عطا فرمایا کرتے تھے (مزاجی نے گویا تاریخی شہادتوں سے پارلیمنٹ میں پان خوری کے جواز پر تقریر دل پذیر شروع کردی تھی) سمجھ میں نہیں آتا کہ (انسپکٹر کی طرف اشارہ کرکے) آپ حلق کے دروغہ کیوں قرار پا گئے؟

مزاجی نے اس بلند لہجے میں خطبۂ ارشاد فرمانا شروع کیا تھا کہ سب لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف مرکوز ہوگئی تھیں۔ نیازمند نے محفل کا رنگ بیرنگ دیکھ کر پھر مزاجی کا شانہ جھنجوڑا اور خدا کا شکر ہے کہ وہ اس اشارے پر متنبہ ہو گئے۔ قصّہ مختصر۔ تھوڑی سی بک بک جھک جھک کے بعد پولیس انسپکٹر سے بھی پٹا کٹ گیا اور اب مزاجی نے گیلری سے نیچے ایوان پارلیمنٹ پر نظر ڈالی تو مبہوت ہو کر رہ گئے۔

نیازمند نے آہستہ سے دریافت کیا۔ کیوں قبلہ؟ کیا نظر آرہا ہے؟"

مزاجی: قدرتِ خدا کا تماشہ! اماں! دیکھو تو اس اندھیرے میں کیسی کیسی تانبے کی تھالیاں چمکتی دمکتی نظر آرہی ہیں۔

نیازمند: (تعجب سے) کہاں؟ تانبے کی تھالیاں کیسی؟"

مزاجی: (موڈ میں آکر) یار آدمی ہو یا چیر غٹو؟ یعنی قسم قرآن کی کمال کر رہے ہیں آپ! بندہ نواز، ذرا آنکھیں پھاڑ کر دیکھئے، ایوانِ پارلیمنٹ میں تانبے کی تھالیاں الٹی کرکے رکھدی گئی ہیں۔

نیازمند: حضت! احقر کو تو کچھ نظر نہیں آرہا۔ یہ سب ممبران پارلیمنٹ جلوہ گر ہیں۔

مزاجی: لاحول ولاقوۃ۔ لعنت بکار شیطان (ایک گنجے چمکیلے سر کی طرف اشارہ کرکے) اماں دیکھو۔ یہ کس طرح چمک رہا ہے خاصی تانبے کی تھالی ہے گویا، اور اس وضع کی برخوردار گنو تو کتنی تھالیاں ہیں؟ (ایک ایک سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ایک دو، تین، چار۔

نیازمند: خدا کے لئے رحم کیجئے۔ یہ سب آنریبل ممبران پارلیمنٹ کے سرہائے مصفّا ہیں، جنھیں آپ تانبے کی تھالیاں سمجھ رہے ہیں۔

مرزا صاحب (حیرت زدہ ہوکر) اسے یہ سب گنج کی بہار ہے۔ سبحان اللہ کیا

کیا خوش اقبال لوگ ہیں کہ سروں پر چاند چمک رہے ہیں۔

اتنی دیر میں چھوٹے قد کے ایک آنریبل ممبر پارلیمنٹ تقریر کے لئے اٹھے اور اس زور شور سے ممبران پارلیمنٹ اور صاحب صدر کو مخاطب کر کے بولنا شروع کیا کہ پورا ایوان گونج اٹھا ان کی تقریر سے!

مزاجی کو انکی تقریر اس قدر بھائی۔ اتنی پسند آئی کہ ہمہ تن گوش بلکہ خود فراموش ہو گئے تا اینکہ عالم خود فراموشی میں پانوں کی ڈبیا جیب سے نکل کر کھٹ سے فرش پر گر پڑی، مگر خود بدولت متنبہ نہ ہوئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر اس پستہ قد ممبر پارلیمنٹ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"لختِ جگر یہ ٹمنی کون ہے؟"

نیاز مند: یہ بھی ایک ممبر ہیں پارلیمنٹ کے۔

مزاجی: کیا بالشتیوں کے جزیرے سے نمائندگی کے لئے تشریف لائے ہیں جو گا"

نیاز مند: بالشتیوں کے جزیرے سے؟ یعنی چہ؟

مزاجی: (تنگ آکر) توبہ... آدمی ہو یا لالہ منگل سین؟ یعنی یہ بات جناب کے دماغ مبارک میں نہیں سمائی کہ بالشتیوں کے جزیرے کا نمائندہ بھی پارلیمنٹ میں آسکتا ہے۔

نیاز مند: میں نے بندہ نواز! کسی کتاب میں اس جزیرے کا حال نہیں پڑھا۔

مزاجی: تو معلوم ہوا کہ جناب تاریخ اور جغرافیہ دونوں سے کورے ہیں۔

نیاز مند: ممکن ہے۔

مزاجی: (اسی ممبر کی طرف اشارہ کر کے) مگر فرما کیا رہے ہیں چڑا اگل خیر و، بھئی قسم چھوٹے حضرت کی۔ آدمی بالشت بھر کا ضرور ہے، مگر ہے جیوٹ، تیور دیکھ رہے ہو، قسم خدا کی کیا چوکھی لڑ رہا ہے، شاباش بیٹے شاباش۔"

نیاز مند: جی ہاں، یہ صاحب ریڈیکل گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔

مزاجی: اڑنکل گروپ؟ یعنی وہ جو اٹکل پچو ہانکتا ہے۔

نیاز مند: جی اٹکل گروپ نہیں، ریڈیکل گروپ۔ یعنی وہ لوگ جو انتہا پسندانہ نقطۂ نظر

رکھتے ہیں۔

مرزاجی: یعنی۔

نیازمند: مجملاً یوں سمجھئے کہ یہ اپوزیشن پارٹی کے رکن ہیں۔

مرزاصاحب: ذرا وضاحت کے ساتھ فرمایئے۔

نیازمند: یعنی۔ مخالف پارٹی کے ممبر

مرزاصاحب: (اچھل کر) ہائیں... اماں... کیا کہہ رہے ہو... ذرا میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنا۔ پارلیمنٹ میں مخالف پارٹی کا کیا کام؟ ہوش میں ہو یا خدانخواستہ!!

نیازمند: قبلہ! جمہوریت کا اصول ہی یہ ہے:

مرزاجی: تو لعنت ہے اس اصول پر۔ کہو، بخش باد۔ ہائیں اب نوبت باین جا رسید کہ دربار شاہی میں خود حضور پرنور کے سامنے مخالفین حکومت ٹھاٹ سے جمے بیٹھے ہیں قسم جناب امیر کی بس انتہا ہے... کیوں میاں؟ اگر یہی لیل ونہار ہیں تو حکومت کب تک چلے گی۔ مرزاجی اب تیسے میں آچکے تھے۔ آواز کافی بلند ہو چکی تھی کہ سارجنٹ پولیس دوڑ کر آئے اور مرزاجی کو جھنجھوڑ کر کہنے لگے۔

خاموش...خاموش

مرزاجی (نیازمند کی طرف دیکھ کر) برخوردار یہ اچھے حلق کے درو غہ پیدا ہو گئے، اب کوئی آدمی بات بھی نہ کرے۔ آخر ہیں کون یہ حضرت؟

نیازمند: محافظ پارلیمنٹ۔

مرزاجی: یعنی چاؤش دربار! خوب حضور پرنور نے چاؤش بھی مامور فرمایا ہے تو ایسا گھامڑ اور گاؤدی غصے میں بھر کر اور انسپکٹر پولیس سے مخاطب ہو کر) او میاں چاؤش!

"چاؤش" کا لفظ سن کر انسپکٹر صاحب کے کان کھڑے ہوئے اور پوچھنے لگے:

"کیا بات ہے؟"

مرزاجی: تم ہمیں تو بار بار روک دیتے ہو اور ہم مانتے ہیں کہ بخش گاہ معلّی یعنی دربار عظمت آثار میں آوازِ بلند نہیں بولنا چاہیئے۔ مگر ذرا ایک تنگ منفر کی طرف

اشارہ کر کے) ان "گنجِ خطابت" کی زبان کیوں نہیں پکڑتے ۔ کیا یہ آدابِ دربار کی خلاف ورزی . . . . !

انسپکٹر : صاحب خدا کے لئے دخل درمعقولات نہ کیجئے ورنہ . . .

مرزاجی : ورنہ کیا؟ آگے کچھ نہ کہنا (آستین چڑھاکر) ورنہ دو چار سر کھل جائیں گے قسم کلام پاک کی !

نیازمند : (انسپکٹر صاحب سے) قبلہ آپ ہی درگزر فرمائیں ۔

انسپکٹر صاحب خود ہی درگزر فرمانے پر تیار تھے مسکرا کر آگے بڑھ گئے اور مرزا صاحب پھر سے پارلیمنٹ کی طرف متوجہ ہوئے ، اس وقت ایک صاحب تقریر فرما رہے تھے جنکی شیروانی کا عجب انداز تھا یعنی اوپر کا بٹن تو لگا ہوا تھا باقی تمام بٹن کھلے ہوئے تھے ۔ یہ صاحب ہاتھ ہلا ہلا کر اور گردن نچا نچا کر گہر افشانیوں میں مصروف تھے ۔

مرزاجی : کچھ دیر انہیں بغور دیکھتے رہے پھر مجھ سے بعالم حیرت سوال کیا ۔

کیوں میاں؟ یہ بزرگوار نثر پڑھ رہے ہیں یا نظم ؟

نیازمند : تقریر کر رہے ہیں ۔

مرزاجی : کیا مسئلہ زیر بحث ہے ۔

نیازمند : قبلہ و کعبہ ! مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ وزراء و حکام کے مصارف کم کئے جائیں "

مرزاجی : وزراء اور حکام عالی مقام کا ارشاد کیا ہے؟

نیازمند : یہ کہ ہم کوشش کر رہے ہیں ۔

مرزاجی : مگر برخورداران منہ پھاڑ بنئے جھاڑ قسم کے بزرگ کو کیا حق ہے کہ وہ وزراء و حکام سے بہ لہجۂ عامیانہ بلکہ قسم پروردگار کی بہ لہجۂ سوقیانہ کمئ مصارف کا مطالبہ کریں ۔ وزراء و حکام نہ ہوئے ۔ بھیڑ بکریاں ہو گئے کہ جسے دیکھو ان پر دندانِ آز تیز کر رہا ہے ۔ اچھا بچہ . . . ٹھہرو . . . . ذرا حضور پُر نور کو آنے دو ۔ بر تب کعبہ ٹکٹکی پر نہ کھنچوایا ہو تو نام پلٹ کر رکھ دینا ہمارا ! "

نیازمند : حضور پُر نور سے مراد آپ کی غالباً ۔ خان لیاقت علی خاں کی ذاتِ ستودہ صفات ہے ۔

مرزاجی: اور ہو بھی کون سکتا ہے۔
نیازمند: تو دیکھئے حضورِ پُرنور وہ سامنے تشریف فرما ہیں۔
مرزاجی: (گیلری سے نیچے کی طرف جھانک کر) کہاں ... برخوردار کہاں
نیازمند: وہ دیکھئے .... وہ صاحب صدر کی کرسی کے دائیں۔ جو صاحب ننگے سر، عینک لگائے بڑی سعادتمندی کے ساتھ عالم حیرت میں مقررین کی تقریریں سن رہے ہیں۔ وہی تو اشرف الوزراء امیر الامراء، خان لیاقت علی خاں بہادر ہیں۔
مرزاجی: (تنک کر) جھوٹ بہلاتے ہو۔ یہ حضورِ پُرنور کہاں سے آئے، یہ تو کوئی...
نیازمند: آپ کے سرِ عزیز کی قسم۔ بھلا آپ کے سامنے جھوٹ بول سکتا ہوں۔ خان لیاقت علی خاں یہی ہیں۔
مرزاجی: ارے (حیرت و تعجب کے ساتھ) تو یہ ننگے سر پارلیمنٹ میں کیسے چلے آئے اور برخوردار، یہ کیا وضع اختیار کی ہے انہوں نے؟ کبھی۔ ہمیں تو یقین نہیں آتا۔ خیر یہ کرسیٔ صدارت پر کون مولوی صاحب تشریف فرما ہیں۔
نیازمند: یہ مولوی تمیز الدین خاں صاحب ہیں۔
مرزا صاحب: کیا یہ ممبرانِ پارلیمنٹ کو اصول فقہ اور حدیث شریف کا درس دینے پر مامور ہیں"
نیازمند: درس کیوں دیتے، اجلاس کی صدارت کرتے ہیں۔
مرزا صاحب: (چند لمحے خاموش رہ کر متاسفانہ لہجے میں) آج ہمارا جی کھٹا ہو گیا تمہاری پارلیمنٹ سے۔
نیازمند: کیوں حضرت؟ خیر تو ہے، کیا بات ہو گئی؟
مرزا صاحب: (ٹھنڈا سانس بھر کر) آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت "آہ جس قوم کے حکمرانوں میں حکمرانی کا سلیقہ نہ ہو، وہ بدنصیب قوم کیا ترقی کر سکتی ہے؟ بس انتہا ہو گئی وزراء و حکام سامنے موجود ہیں اور انکے مواجہے میں بے تکی تقریریں ہو رہی ہیں۔ نہ دربار ہے نہ اہلِ دربار۔ نہ مسندِ زرکار رہے نہ سرکار، معلوم ہوتا ہے کہ بے تکلف احباب کی ایک مجلس ہے جہاں یارانِ نشاط بیٹھے چوسر کھیل رہے ہیں۔ اے قربان اس دبدبۂ شہریاری اور طنطنۂ جہانداری کے کہ خان لیاقت علی خاں کے سامنے ایک بانسیتا چیخ رہا ہے۔

اور خود بدولت منھ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے ہیں۔ اگر بندہ، برسرِ اقتدار ہوتا تو قسم رب العزت کی کہ اس گستاخی اور زبان درازی کا مزہ چکھا دیتا۔ جو بے تُمر اُبولا بزرِ وند از دل کے حوالے، تو کیا وجہ کہ حکومت بغیر سیاست اور حُسن بغیر ملاحت بے معنی ہے۔ مگر واہ رے پاکستان، مان گئے تیری سیاست کو، یہ حکومت ہے یا گاؤں کی چودھراہٹ (اخفر سے مخاطب ہوکر) برخوردار کاش تم نے شاہی زمانہ دیکھا ہوتا۔ جس وقت فرمانروائے عہد ساتھ لیے مصاحبین کا ہجوم، کالبدر فی النجوم، حرم سرا سے برآمد ہوتا تو نوبت پر چوب پڑتی اور چاؤش دورباش کے نعرے لگاتے سواری کے آگے آگے دوڑتے، جب موکب ہمایونی دربارِ عام کے قریب پہنچتا تو حاجبوں میں ہلچل پڑ جاتی۔ اور

باادب۔ بلاملاحظہ۔ ہوشیار۔

کے نعروں سے اہلِ دربار کے دل دہل جاتے ظل اللہ۔ بہ امان اللہ۔ بصد شوکت و جاہ بسم اللہ کہہ کر تخت طاؤس پر قدم رکھتے تو مورچھل بردار، بالِ ہما کے مورچھل سے مگس رانی اور مروحہ جنبانی شروع کر دیتے۔

تختِ طاؤس پہ جب ہووے سلیماں کا جلوس
مورچھل ہاتھ میں۔ میں بالِ ہما کا لے لوں

ایک اس قوم کے اقبال کا وہ زمانہ تھا اور ایک یہ عہدِ ادبار ہے کہ دربار میں پندرہ بیس بے قرینہ لوگ تتر دٹوں بیٹھے ہیں اور سامنے خود وزارتِ انتساب اور عزت مآب معہ گروہِ وزرا موجود ہیں۔ نہ حفظِ ادب ہے نہ پاسِ مراتب! جس کے منھ میں جو آیا... انٹ سنٹ بکنا شروع کر دیا۔ جو سمجھے وہ گم سم نہ سمجھے تو داخلِ جہنم

لیجیے صاحب قصہ ختم پیسہ ہضم۔

اس پر یہ ادعا کہ ہم خود مختار ہیں اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے تاجدار! واہ ری گردشِ تقدیر، کیا حکومت ہے کیا وزیر؟ کیا وزارت ہے کیا مشیر؟ کیا مجلس ہے کیا تقریر؟

یا پیر دستگیر ادرکنی!

رئیس اکاڈمی کی مطبوعات

کتاب	تفصیل	حصہ	قیمت
المیہ مشرقی پاکستان	آنسوؤں اور خون کی کہانی	حصہ اول	۶ روپے
المیہ مشرقی پاکستان	آنسوؤں اور خون کی کہانی	حصہ دوم	۶ روپے
جنسیات		حصہ اول	۶ روپے
نفسیات و مابعد النفسیات	چوتھا ایڈیشن	حصہ اول	۶ روپے
جنسیات		حصہ دوم	۶ روپے
نفسیات و مابعد النفسیات	دوسرا ایڈیشن	حصہ دوم	۶ روپے
توجہات	چوتھا ایڈیشن		۶ روپے
لے سانس بھی آہستہ	پانچواں ایڈیشن		۶ روپے
مراقبہ			۶ روپے
ہپناٹزم	چوتھا ایڈیشن		۶ روپے
حاضرات ارواح	تیسرا ایڈیشن		۶ روپے
عالم ارواح	دوسرا ایڈیشن		۶ روپے
جنات	دوسرا ایڈیشن		۶ روپے
نفسیات و مابعد النفسیات		تیسرا حصہ	۶ روپے
عالم برزخ			۶ روپے

رئیس اکاڈمی گارڈن ایسٹ کراچی ۳ فون نمبر ۷۰۵۵۶